

# غالب شناس مالک رام

ڈاکٹر گیان چند

ادارۂ یادگار غالب کراچی

# غالب شناس مالک رام

ڈاکٹر گیان چند

ادارۂ یادگار غالب

کراچی

سلسلہ مطبوعات ادارہ یادگار غالب

شمار: ۳۵

طبع اول :	۲۰۰۲ء
طالع :	احمد راوز، ناظم آباد، کراچی
تعداد :	پانچ سو
قیمت :	ایک سو پچاس روپے

☆

ادارہ یادگار غالب

پوسٹ بکس نمبر ۲۲۶۸

ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

☆

غالب لائبریری

دوسری چورنگی۔ ناظم آباد نمبر ۲

کراچی ۷۴۶۰۰

## فہرست

پیش لفظ - ۷

پہلا باب : تمہید - ۱۰

دوسرا باب : طبع زاد کتابیں - ۱۷

۱۔ ذکرِ غالب - ۱۷

۲۔ انگریزی کتابچے مرزا غالب - ۳۶

۳۔ ۱۵ اذواءِ غالب - ۳۷

تیسرا باب : مضامین - ۳۶

۱۔ ”وہ صورتیں الٹی“ کا ایک مضمون - ۳۸

۲۔ فسانۂ غالب - ۵۱

۳۔ گفتارِ غالب - ۶۳

۴۔ ”تحقیقی مضامین“ میں غالبیات کے مضامین - ۷۳

۵۔ مجموعوں کے باہر متفرق مضامین - معذرات - انگریزی مضامین - ۷۷

چوتھا باب : تدوین اور ادارت - ۸۶

فاری

۱۔ سہدائیں - ۸۶

۲۔ دستیو۔ ۸۸

۳۔ کلیاتِ نظمِ غالب (غیر مطبوعہ)۔ ۹۲

اردو فارسی مشترک :

گلی در۶۴۔ ۹۳

اردو :

۱۔ دیوانِ غالب۔ ۱۰۰

۲۔ قطعاتِ غالب۔ ۱۱۴

۳۔ عیارِ غالب۔ ۱۳۹

۴۔ یادگارِ غالب۔ ۱۴۰

پانچواں باب : مجموعی جائزہ۔ ۱۴۴

کتابیات۔ ۱۴۹

# انتساب

آج کے سب سے بڑے ماہرِ غالبیات

کالی داس گیتارضا

اور

نہایت ذہلیق و جامع تحقیق کے خوگر

ڈاکٹر حنیف احمد نقوی

کے نام

اس کتابچے کی تصنیف میں جب بھی کسی شخص سے دو چار ہوا، کالی داس گیتا کے پاس دوڑا اور کیا اور اپنی شکل کامل کرا لیا۔

حنیف نقوی کو میں نے چھ سال پہلے ملا ہے۔ اس کتابچے کی چوری میں اس کے مجموعہ مضامین ”غالب و احوال و آثار“ سے مجھ کو کچھ کتاب کیا دیا اس کی ”گروہ کھٹا“ ہے جس کا اسے علم نہیں۔



## پیش لفظ

غالب آکینڈی نئی دہلی نے طے کیا کہ ممتاز ماہر غالبیات، مالک رام کے اسم پر ہر سال کوئی خطبہ دلایا جائے۔ یہ مالک رام کے اختصاص کے کسی بھی موضوع پر ہو سکتا ہے لیکن پہلے سال کے لیے تجویز کی گئی کہ افتتاحی خطبہ خود مالک رام ہی پر ہو۔ معلوم نہیں کس طرح اس اعزاز کا قرعہ قائل مجھ دیوانہ کے نام پر نکلا۔ چونکہ مجھے ان کی جناب میں ایک قرب نیاز معنی رہا ہے، اس لیے میں اپنی بے بھاضمتی کے باوجود انکار نہ کر سکا۔ بے بھاضمتی اس معنی میں ہے کہ مالک رام کی تحقیق کا ام ۷۰۔ غالبیات میں ہے۔ ان پر شکوک کرتی ہو تو بات لائے غالبیات تک پہنچے گی۔ غالب صدی کے طفیل میں میں نے غالب پر کچھ لکھا پڑھا، غالب کے کلام اور سوانح کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں، لیکن میں غالبیات کے خواص کا عرفان نہیں رکھتا۔

میں نے جب مالک رام کی غالبیات کی تحریروں کا جائزہ لینا شروع کیا تو کئی جگہ الجھنوں سے دوچار ہوا۔ کتابیں پڑھیں، رسالوں کے مضامین دیکھے، لیکن اصل ذرائع میری دسترس میں نہ تھے اس لیے بعض گتھیں نہ کچھ سکس۔ رہنما ہونے کے بعد میں گھنٹوں میں کتب خانوں سے دور ہو گیا ہوں۔ یہاں تحقیقی کتب کا کوئی اچھا کتب خانہ ہے۔ میرے لیے بہل راستہ ہی تھا کہ کالی راس گیا رہتا ہے، تشدد کروں



مالک رام کے بعد نسل میں وہ چوٹی کے ماہر غالبیات ہیں۔ میں نے بار بار ان سے مشورہ کیا اور مسلسل مراسلت کے ذریعے اپنے شکوک کا ازالہ کیا۔

میں نے مالک رام کے قلمی آثار کا تخمینہ بڑے ذمروں میں جائزہ لیا ہے:

۱۔ طبع زاد کتابیں۔ ۲۔ مضامین کے مجموعے اور متفرق مضامین۔ ۳۔ غالبیات کی تدوین۔ ۱۹۷۸ء کی بات ہے کہ میں نے ایک طویل مضمون ”مالک رام بحیثیت ماہر غالبیات“ لکھا تھا۔ اس کے بعد غالبیات پر مالک رام کی کئی کتابیں آئیں۔ یہ ہیکٹر قلم بند کرتے وقت میں نے مندرجہ بالا پہلے دو ذمروں میں اپنے سابقہ مضمون سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، لازماً تو لکھا لیکن تدوین ۱۰۔ اپنے میں ضلوغ غالب اور دیوان غالب مرتبہ مالک رام کے بارے میں تقریباً سب کچھ اسی مضمون سے لیا ہے، بقیہ پورا کتابچہ نئی تصنیف ہے۔ مجھے امید ہے کہ مالک رام نے غالبیات میں نہ کچھ لکھا ہے۔ اس کی ہر فصل اور ہر عنوان کے بارے میں اس کتابچے میں کچھ نہ کچھ ملے گا۔ ہیکٹر ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو دیا گیا۔

۱۹۷۸ء کے مضمون کو لکھتے وقت میں نے مالک رام کی جملہ سب غالبیات نو دیکھا تھا۔ اب وہ بارہ دیکھنے کی ضرورت ہوئی۔ بہت کچھ تو میرے پاس تھیں، بقیہ کے لیے دوستوں کا منہ دیکھا۔ ان میں سے بعض مختلف ”گل رعنا“ کور ”دھند“ کاظم علی خاں سے ملیں، چار کتابیں کالی داس گپتا کے بے نظیر ذخیرے سے بھی سے منگا کیں، ان میں کم یا ب ”سہوچین“ بھی تھی۔ ۱۹۷۸ء میں یہ سب کتابیں میرے مطالعے میں رہی تھیں۔ میں ان دونوں نظرات کا شکر گزار ہوں، خصوصاً کالی داس گپتا رعنا کا جن سے اس موضوع کے بارے میں مسلسل تبادلہ خیالات رہا۔ عزیز بی ڈاکٹر حنیف احمد نقوی کے مجموعہ ”مضامین“ غالب، احوال و آثار“ (لکھنؤ ۱۹۹۰ء) سے بھی کافی استفادہ کیا۔

اس خطبے کے لیے غالب اکیڈمی کے جن ارباب حل و عقد نے مجھے منتخب کیا، میں ان سب کا مشکور و ممنون ہوں۔ کہیں بہتر ہوتا کہ پہلے ہیکٹر کے لیے کسی ممتاز ماہر غالبیات کو دعوت دی جاتی۔ شاید میں سامعین و قارئین کی توقعات پوری نہ کر سکوں۔ مختصر مدت، مختصر صفحات اور مختصر علیست کے ہوتے بھی کچھ ممکن تھا۔ آپ اسے عالمانہ

کارہندہ نہ کیجئے، جو یہ ہرگز نہیں ہے، بلکہ اسے ملک رام کی خدمت میں ایک ماحزانہ  
خراج تحسین و ارادت کچھ کر قبول کیجئے۔

لکھنؤ، ۱۰ اپریل ۱۹۹۵ء

گیان چند

پس نوشت :

مجھے بے حد خوشی ہے کہ پاکستان میں میری یہ کتاب ادارہ یادگار غالب کی طرف سے  
شائع ہو رہی ہے۔ میں اس کے لیے ادارے کی صدر محترمہ شکمہ جی۔ ملک کا دل سے  
شکر گزار ہوں۔

گیان چند

۲۲ اکتوبر ۲۰۰۱ء

نواڈا اردائن

امریکہ

## پہلا باب تتمہید

محترم بزرگ مالک رام سے میرے نیاز مند ان مراسم کو ایچ ۱۹۶۵ء میں شروع ہو کر ان کے دم آفرینک رہے۔ ان کے اور میرے بچ پیدا رابطہ جس طرح کا تھا، اسے یاد کرتا ہوں تو آج بھی عرقِ دعا مست سے شریک ہو جاتا ہوں۔ ہوا یوں کہ مالک رام صاحب کا مرشد دیوان غالب، آزاد کتاب کمرہ ملی سے ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ اس میں غالب سے منسوب وہ غزل بھی شامل تھی جس کا مطلع ہے:

ہزار سال غلب سے بخش کرے گا کیا

بھوپال میں حریہ جو دودن قیام ہو

ان دنوں میں حمید یہ کالج بھوپال میں ملازم تھا۔ وہاں مجھے اس غزل کے مصنف اصلی کا نام معلوم ہو گیا۔ ان سے ملاقات ہوئی اور وہ اسکو لیٹیکریں دیکھی جس میں یہ غزل ’’ایہ بلِ فول‘‘ کے عنوان سے چمکی تھی۔ وہاں سے یہ غزل ’’نورین و دنیا‘‘ دہلی میں اور ’’پلڑ ہمایوں‘‘ لاہور، اپریل ۱۹۳۹ء میں نقل کی گئی۔ سب سے آخر میں یہ ’’دیوان غالب نمبرِ عرشی‘‘ میں شامل ہوئی، لیکن عرشی صاحب نے نوٹ لکھا کہ انھیں اسے کام غالب مانتے میں بے حد متامل ہے (طبع اول ۱۹۵۸ء، ص ۲۹۱)۔

مالک رام صاحب نے اپنے مرشد دیوان میں ایسا کوئی نوٹ نہیں لگایا تھا۔ دلی یونیورسٹی کے دسارے ’’اردوئے معنی‘‘ غالب نمبر کے لیے مجھ سے ایک مضمون لکھنے کی فرمائش کی گئی۔

میں نے اسی غزل کے پیرے سے غلاب اٹھایا۔ صبح میں کوئی ہرج نہیں، لیکن وہ جہذیب اور نرمی کے ساتھ کی جانی چاہیے۔ میری کم عمری اور کم عقلی کا زمانہ تھا (اب بھی کون سا عاقل ہوں) کسی نے مجھے چڑھا بھی دیا تھا، میں نے غزل کی حقیقت اظہار کرنے میں

آداب کو ملحوظ رکھا اور چند خطوں پر جملے لکھ دیے۔

کہا جاتا ہے کہ علم میں بھی نشہ ہوتا ہے۔ جس کا علم کیا ہوا اسے معلومات کا ایک پارہ مل جائے تو اس پر بھی شراب کا اثر ہوتا ہے۔ میں نے نو جوانوں کو دیکھا ہے کہ تحقیق و تحقیق کی بحثوں میں فرق و مراب کو ملحوظ نہ کر کے چارہیت پر اتر آتے ہیں۔ انھیں جوانی بروہاری اور خفا کساری سے واقف نہیں ہوتی۔ یہ نہائی تو سال خوردگی کے بعد ہی نصیب ہوتی ہے۔ چہ ہے کہ بلدی کی گانٹھ مل جائے تو خود کو پنداری کہنے لگتا ہے۔ کہاں مالک رام جیسا تافہ ناغلیات، کہاں میں شٹ چمچیا، چراغ مردہ کیا، شمع آفتاب کیا۔ اس غزل پر گستاخانہ تحریر ہی پر کیا انھیں عداوت نکلاؤں، میں تو پست کر جب اپنی طویل عمر رفت پر نظر دوڑاتا ہوں تو یہ حماقتوں اور غلطیوں کی زنجیر دکھائی دیتی ہے جس کے ہر حلقے کو دیکھ دیکھ کے میں مضطرب ہوتا ہوں لیکن تیس چالیس سال کے جسم میں ۷۰ سال قلب و ذہن تو نہیں رکھا جاسکتا تھا۔

میرے پاس اس صحیحی تحریر کی کوئی نقل نہیں، مگر ذمہ دار تحریر یاد نہیں، میں نے اپنے مضامین کی فہرست میں اسے شامل نہیں کیا۔ مالک رام صاحب نے اس پر ”فکر و نظر“ میں ایک طویل جوابی مضمون لکھا تھا۔ انھوں نے صفحہ بزرگانہ سے کام لیتے ہوئے خاصا اپنے کسی مجموعے میں شامل کیا، نہ مضامین کی فہرست میں جگہ دی۔

۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اپنے دولت خانے پر مالک رام صاحب، لیکن ناتھ آزاد صاحب اور مجھ غریب شہر کو مدعو کیا۔ مالک رام صاحب سے پہلی بار نیاز حاصل ہوا۔ میں محبوب تھا لیکن مالک رام کی محتانت کہ میری خانہ خراب تحریر کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ بجائے اس کے اپنی اور محترمہ امین احمد کی مرثیہ ”کرمل کھٹا“ مجھے تنویر یعنی کی۔ ان کے دستخطوں پر ۵ دسمبر ۱۹۶۵ء کی تاریخ پڑی ہے، گویا اس دن میں نے پہلی بار اس عہد ساز شخصیت کو دیکھا۔ اُس وقت انھوں نے عمر عزیز کے ۵۹ برس بھی پورے نہیں کیے تھے۔ اُس دن سے آخری دم تک وہ مجھ پر کمال مہربان رہے۔ میرے شاگرد بہت ہیں، درفش اور دم ساز بھی کم نہیں، لیکن میرے ہر بزرگ خال خال ہیں۔ مالک رام کے چلے جانے سے ایسے شجر سایہ دار کے اکڑنے کا غم ہوتا ہے جس کی

چندوں میں مجھے عافیت ملتی تھی۔ میں مارچ ۱۹۹۳ء کے عیسے مہینے میں دہلی گیا تھا لیکن فاصلے کی وجہ سے ان سے نہ مل سکا، مصروفیت کی وجہ سے انہیں فون بھی نہ کر سکا۔ سوچا، اگلی دفعہ انوں کا تو طائفی کر لوں گا، لیکن یہ کہاں معلوم تھا کہ وہ اگلے مہینے ہی بنگلہ جاس گئے۔ وہ کہاں گئے ہیں؟ ان سے آخری بار کیونکر ملوں؟ اقبال نے کہا تھا،

کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انہیں

کہاں جاتا ہے، آتا ہے کہاں سے

میں بھی انہیں حقیقت سے نا آشنا ہونے پر اداس ہوں، سوچا کرتا ہوں۔ اقبال ہی کا ایک اور شعر ہے،

جو بادہ کش تھے پرانے، وہ اٹھتے جاتے ہیں

کہیں سے آپ بھلے دوام لے سکتی

ہم دیکھ رہے ہیں کہ بیسویں صدی کے نصفِ اول نے ہمارے ملک میں جن عظیم کو سرگرم کار کیا، نصفِ دوم نے اس قدر قاست کے انسان پیدا نہیں کیے۔ سیاسی قائدین میں سناٹا گاندھی، جواہر لال نہرو، مولانا آزاد، راجندر پرشاد، سردار پٹیل راج گوبال آپادیہ، جہاں چندر بوس، محمد علی جناح وغیرہ جیسے دیوانست اس صدی کے نصفِ دوم میں نہیں ابھرے۔ ٹیکور اور اقبال جیسے شاعر، بوس اور رسن جیسے سائنس دان پیدا نہیں ہوئے۔ کیا یہ یونوں کا دور ہے؟

اردو میں اب سے پہلے کیسے کیسے عملد ہو چکے ہیں۔ مولوی عبدالحق، حافظ محمود شیرانی، رفیع احمد صدیقی، مسعود حسن رحوی، قاضی عبدالودود، مولانا عرش، ملک رام ناکٹر نور وغیرہ۔ ان سب کی علمی و ادبی شخصیت قدر کھاسار کی طرح رفیع و عظیم تھی اب لے وے کے پروفیسر سرور کی ذات گرامی دکھائی دیتی ہے۔ یہ بات ٹھیک، کہ دوسرے محقق، نقاد معتبر نہیں، وہ ضرور ہیں۔ ان میں سے کئی کے علم و فضل کی قسم کھائی جا سکتی ہے، لیکن معلوم نہیں کیوں، کسی میں عظمت کا وہ ہالہ دکھائی نہیں دیتا جو آگے کے علما میں تھا۔ شاید مراد ایام کے ساتھ ان میں سے بھی شعلیں بجھنے لگیں۔

ملک رام ناہنڈ غازیات ہی نہ تھے، وہ ماہر الکلامیات اور ماہر اسلامیات بھی تھے۔ اسلامی علوم میں ان کی نظر کی داد مولانا عبدالماجد دریا بادی دے چکے ہیں۔ ملک رام غم و حرب کی قدیم تاریخ کا بڑا مرقن رکھتے تھے۔ ان کی ضیاع تحقیق نے ان کی خاکہ نگاری کو دھندلا دیا ہے، حالانکہ منہ صور میں الٰہی کے خاکے قدرِ قول کی جڑ ہیں۔

رسالہ "آج کل" نے اگست ۱۹۷۷ء میں اردو تحقیق نمبر شائع کیا تو سرورق کے اندر اردو کے چار زندہ محققوں کی تصویریں اس عنوان سے چھاپیں، "اردو تحقیق کے چار ستون"۔ یہ تصویریں قاضی عبدالودود، مولانا عرشی، مسعود حسن رضوی اور ملک رام کی تھیں۔ ان کے انتقال کے ساتھ قمر تحقیق کا آخری سال خوردہ ستون بھی ڈس گیا۔ اتفاق یہ ہے کہ ان چاروں میں صرف جناب ملک رام کو منظم طریقے پر ہدف تحقیق بنایا گیا ہے۔ تحقیق میں فروگزاشتوں کی نشان دہی کی جائے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ شکایت کا مقام جب ہے جب اعتراض کا لہجہ علمی سطح سے گر جائے، جب صاف معلوم ہو کہ معترض کو کوئی ذاتی کہ ہے، وہ اصحابِ علم کی خاطر نہیں بلکہ کسی غیر علمی جذبے کے تحت غرور گئی کر رہا ہے اور جب موقع پاتا ہے تو جھڑپ میں ذمیت کو لے آتا ہے۔ تنقید و تحقیق اگر معترضانہ بھی ہو تو بھی انصاف کا پلہ برابر، کھنا چاہیے، تصویر کے دونوں رخ پیش کرنے چاہئیں۔ کسی کتاب پر جھرو کرنا ہے تو اس کے حسن و قبح دونوں کو یوں اجماعیہ کہ قاری کتاب کے ہارے میں ایک متوازن رائے قائم کر سکے۔ جس بیو کی انگریزی کتاب "در اندیا" کے مرتعے حقیقت پر مبنی تھی، لیکن مساتما گاندھی نے اس کتاب کو "گندی علی کے انسپکٹر کی رپورٹ" قرار دیا تھا۔ اسی قسم کی ایک رپورٹ "اردو تحقیق اور ملک رام" نام کی کتاب ہے جس کے مرتب کا نام "شاہد" علی ایم اے لکھا ہے، لیکن اس نام کا کوئی شخص نہیں۔ اس کا ناشر "ادارہ تحقیق، دہلی نمبر ۷" ہے اور یہ ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔ پتا ناگن ہے۔ جس نام کے کسی ادارے کا نام معلوم نہیں۔ جب یہ بات پھیل گئی کہ اس کا مصنف مولانا ہے تو اس کے اصل مرتبین نے شکایت کو ہزار سے اٹھایا۔ تحقیق کے معنی حقیقت، دریافت کرنے کے ہیں۔ جس کام کی بنیاد ہی جھل پر ہے، در واد صدائق و

حقیقت کی بات کرے تو انگریز کی کہادت یاد آتی ہے کہ اٹلیس صحیفوں کا حوالہ دے رہا ہے۔ کتاب کے نام سے ایسا لگتا ہے کہ اردو تحقیق میں مالک رام کی خدمات اجاگر کی ہوں گی، نیز ان کے تصامحات کی نشان دہی بھی کی ہوگی، لیکن کتاب میں دوسرا رخ ہی ہے۔ جس طرح کردار کشی ایک اصطلاح ہے، اسی طرح یہ کتاب مالک رام کی علمی شخصیت کشی کی کوشش کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے پیش لفظ اور بعض مضامین کے انداز گفتار کے پیچھے معاندانہ ہڈ پہ پھوٹ پھوٹ کر رہا ہے۔ اس کے غیر علمی لہجے سے قطع نظر، اس کے بعض مضامین کی اہمیت کا میں منکر نہیں۔

یہ مطالبہ کرنا ہے جانہ ہوگا کہ تحقیق و تہرے کو ”گندی نالی کے انچکڑی رپورٹ“ نہ بتایا جائے۔ اگر صرف تصامحات شماری تک محدود رہتا ہے تو تہرے کی ابتدا میں صراحت کر دی جائے کہ اس تحریر کو غلط فہم و اسقام کی نشانیں دہی تک محدود رکھا گیا ہے۔

بزرگ قتل کے ماہرین غالبیات میں ذیل کے ملا کو شمار کیا جاتا ہے:

مولانا غلام رسول ہمر (۱۸۹۵ء تا ۱۹۷۱ء)، قاضی عبدالودود (۱۸۹۶ء تا ۱۹۸۳ء)، مولانا

اقتیاد علی خان مرثی (۱۹۰۳ء تا ۱۹۸۱ء)، مالک رام (۱۹۰۶ء تا ۱۹۹۳ء)، شیخ محمد اکرام (۱۹۰۸ء تا ۱۹۷۳ء)۔

ان مختصر نمبر میں بھی مالک رام آخری تھے۔ انھوں نے غالبیات کے علاوہ دوسرے موضوعات میں بھی داد و تحقیر دی، لیکن آج کی بات چیت ان کی غالبیات تک محدود رہے گی۔ وہ بحث یہ ہے کہ میں کسی حد تک مالک شناس تو ہوں، غالب شناس نہیں۔ اس موضوع پر بات کرنے والا خود بھی ماہر غالبیات ہونا چاہیے کیوں کہ ولی راوی می شناسد۔ غالب شناسی میں میری محض ایک کتاب ان کے منسوخ کلام کی شرح ہے۔ میں غالب پر مالک دام کے کاموں کا جائزہ لیتا ہوں تو بار بار کسی گلی، کسی بھول بھلیاں میں ہٹک جاتا ہوں۔ کتاب میں چھانٹا ہوں اور ہلا خراکالی واس گیتا رضا سے رہبری چاہتا ہوں۔ بہر حال اکتکتے، اکتکتے مالک رام جیسے جید ماہر غالبیات کے کارناموں کو اپنی کم نظری کے باوصف آئینوں ہوں۔ غالب نگاری میں ان کے کاموں کا تین بڑے زمروں میں احصاء کیا جاسکتا

ہے

(الف) طبع زاد کتابیں :

۱۔ ذکرِ غالب ۲۰۔ انگریزی کتابچہ مرزا غالب ۳۰۔ طلحۃ غالب

(ب) مضامین :

۴۔ نسانہ غالب ۵۰۔ گفتارِ غالب ۶۰۔ تحقیقی مضامین میں غالبیات کے مضامین

بر مجموعوں کے باہر حفری مضامین ۸۰۔ مقتدات ۹۱۔ انگریزی مضامین

(ج) جدید و ادارت :

(۱) فارسی ۱۰۔ سہد چین ۱۱۰۔ دحبو ۳۰۔ کلیاتِ نظم غیر مطبوعہ

(۲) اردو فارسی مشترک ۱۳۔ گلی رحنا

(۳) اردو ۱۳۔ دیوانِ غالب ۱۵۰۔ خطوطِ غالب ۲۱۰۔ عیارِ غالب ۱۷۰۔ یادگارِ غالب

۔ بانک رام نے اپنا پہلا مضمون "نیرنگ خیال" لاہور کے ۱۳۳۴ء کے کسی شمارے

میں شائع کرایا، لیکن یہ غالب سے متعلق نہ تھا۔ غالبیات میں ان کا پہلا مضمون "غالب

اور ذوق" "تھکر" ستمبر ۱۳۳۶ء میں شائع ہوا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ غالبیات کے

بیس ماہر کی غالب سے متعلق پہلی تحریر غالب کے خلاف تھی۔ انھوں نے زبان و

طرزِ بیان کے اعتبار سے ذوق کو غالب پر ترجیح دی۔ جب سے آج تک بانک رام نے

غالب کی نظم و نثر، اردو و فارسی، سوانح و شخصیت، سب پر تحریریں لکھ دی ہیں۔

مماں ماہرین غالبیات نے غالب پر اتنا زیادہ اور اس حشر کے ساتھ لکھا ہو گا۔

ان کی کتابوں پر اظہارِ خیال کرنے سے قبل ایک شکوہ :

بانک رام صاحب کی کتابوں میں ۱۰۰ تصنیف ہوں کہ جدید ، نرسٹ مطالب سب

سے پہلے نہیں ہوتی بلکہ عام قاعدے کے برخلاف ان کے دیباچے کے بعد ہوتی ہے کسی

مضمون کو نرسٹ میں تلاش کرنا ہو تو پہلے ان کے دیباچے کے صفحات اٹھیں جب

نرسٹ برآمد ہوگی۔ مجھے اس سے بڑی دقت اور اسی حساب سے الجھنٹ ہوتی ہے

مکتبہ غالب کی "میش گتیار" ۳۳ صفحوں کی ہے مں ، ۲۰۷۔ اس کے بعد ایک صفحہ



پر فہرست ہے اور پھر متن کا پہلا مضمون۔ بسا اوقات فہرست تلاش کرتے وقت میں 'پیش گفتار' کے بعد متن کے مضمون تک پہنچ جاتا ہوں اور فہرست کا ورق سچ میں چسپا رہ جاتا ہے، پھر ورق گردانی کرتا ہوں۔ ان سے متعلق دوسروں کے دو مجموعوں "ارمغان مالک رام" اور علی جوہر زیدی کی "مالک رام، ایک مطالعہ" میں بھی یہی بدعت ہے، کیوں کہ ان کی کتاب ہندی مالک رام صاحب کی زیر نگرانی ہوئی ہوگی۔ شکر ہے کہ کراچی زیدی کی "مالک نامہ" (۱۹۸۷ء) میں فہرست پہلے ہے اور 'پیش لفظ' بعد میں۔ آئندہ اوراق میں غالبیات مالک رام کا جائزہ لیا جائے گا۔

## دوسرا باب

# طبع زاد کتابیں

عالمیات کے میدان میں ملک رام نے صرف عین مستقل طبع زاد کتابیں تصنیف کیں، دو اردو میں اور ایک انگریزی میں، یہ ہیں،  
 ذکر غالب - مرزا غالب (انگریزی) - طلحة غالب -  
 ذیل میں ان کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

## ذکر غالب

عالمیات میں یہ ان کا سب سے اہم کارنامہ ہے۔ طبع عظیم کی عرض مؤقف میں انہوں نے اس کی شان نزول بیان کی ہے۔ ۳۸ - ۱۹۳۷ء میں انہوں نے "سہ چہن" اشاعت کے لیے تیار کی۔ ایک دن حامد علی خان جرنل مینجمر کتبہ جامعہ نے کہا کہ کتاب بہت اچھی ہے۔ آپ اس پر جسطح دیباچہ لکھ دیجیے۔ ملک رام دن بھر اپنے دفتر میں کام کرتے، رات کے کھانے کے بعد دیباچہ لکھتے۔ اگلی صبح دفتر جانے سے پہلے حامد علی خان بلا تاخیر آتے اور مستودے کی قسط لے جاتے۔ آخری قسط لے جانے کے بعد ایک دن بچنے لگے کہ اب یہی طے کیا ہے کہ آپ کا دیباچہ "سہ چہن" سے الگ مستقل کتاب کی شکل میں چھاپ دیا جائے۔ اس پر ملک رام نے کہا کہ مستودہ دالمیں دے دیجیے تاکہ میں اس پر نظر ثانی کر دوں۔ حامد علی خان نے بتایا کہ اس کی تو کتابت بھی ہو چکی ہے اور پورا مضمون ۱۲ صفحات میں آیا ہے۔

اس طرح کتاب کا پہلا ایڈیشن اوائل اپریل ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ یہ مصنف کا دہ پارہ ساڑھے دو ہے جس کی وہ ترتیب و تہذیب نہ کر سکے۔ یہ کام بعد کی اشاعتوں میں ہوا۔ طبع اؤل کے ۱۰۲ صفحات کے مقابلے میں طبع دہم (فروری ۱۹۷۶ء) میں ۲۷۹ صفحات ہیں۔ علی ہواد زیدی کے مجموعے ”مالک رام، ایک مطالعہ“ (جولائی ۱۹۸۶ء) میں توثیق مالک رام کی مرثیہ حبیب بانو نے مزودہ کیا ہے کہ ”ذکر غالب“ کا چھٹا ایڈیشن زیر طبع ہے (مطالعہ ص ۳۲۷)۔ یہ ایڈیشن آج تک نہیں آیا۔ ۱۹۷۶ء کا ایڈیشن ہی آخری اشاعت ہے۔

اس سے پہلے غالب کی تین مشہور سوانح مرثیاں آنکلی تھیں، حاتی کی ”یادگار غالب“ ۱۸۸۹ء، غلام رسول مہر کی ”غالب“ ۱۹۳۶ء اور شیخ محمد اکرام کی ”غالب نامہ“ یا ”آثار غالب“ ۱۹۳۶ء۔ چوں کہ نکش حاتی نکش اول سے اور نکش ثالث نکش حاتی سے بہتر ہوتا ہے، اس لیے مالک رام کی ”ذکر غالب“ پیش رو سوانح مرثیوں سے زیادہ مکمل ہے۔ اس کا پانچواں ایڈیشن اتنا پختہ اور با ترتیب ہے جیسے ایک مربوط نظم یا نظمے ہوئے ناول کا ایک حصہ دوسرے سے جدا ہوا ہو۔ یہ بڑی حد تک مستند ہے۔ لہذا خلافت کی اس کتاب میں سوانح غالب کی تمام معلومات اس طرح قابل اعتماد اور مضبوط طریقے پر آگئی ہیں کہ اسے یونہی رشتوں کے تحقیقی و تنقیدی مقالے کا ایک مثالی نمونہ کہا جاسکتا ہے۔

اس کتاب میں تین باب ہیں جنہیں تین حصے کہنا چاہیے۔ پہلے طویل باب میں غالب کے تحقیق شدہ حالات ہیں۔ دوسرے باب میں غالب کی تمام فارسی اور اردو تصانیف کی مستند تفصیلات ہیں۔ تیسرے باب کا عنوان ”عادات و اخلاق“ ہے۔ یہ بھی بہت مفصل اور جامع ہے۔ اس کا بہتر عنوان ”شخصیت“ ہو سکتا تھا۔ کتاب میں غالب کے کلام پر تنقید کی کوشش نہیں کی گئی اور یہ اچھا کیا کہ سوانح کو محض ادیب اور اس کی شخصیت تک محدود رکھا۔

”ذکر غالب“ کے دوسرے ایڈیشن پر قاضی عبدالودود نے ”معاصر“ حصہ ۲ میں

تہرہ کیا۔ مجھے ”مصحف“ کا یہ شمارہ میسر نہیں ہے، لیکن یہ تہرہ ”اروہ تحقیق اور ملک رام“ میں شامل ہے اور میرے سامنے بھی ہے۔ اس میں قاضی صاحب نے ”ذکر غالب“ کی بعض قزوقزاشوں کا ذکر کیا ہے، اس کی کسی نوٹی کے بارے میں ایک لفظ کے بھی گتہ گار نہیں۔ اعتراضات بہت سے ہیں، اہم اور غیر اہم، سنجیدہ اور غیر سنجیدہ ان میں سے بعض کو ملک رام نے قبول کر کے بعد کے ایڈیشنوں میں ترامیم کر لیں۔ میں چند کا ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ مصنف نے غالب کی ولادت کا ذکر یوں کیا ہے،

”مرزا غالب ۸ رجب — کو پیدا ہوئے۔ ۸ رجب کو مرزا غالب نہیں

ایک بچہ عزت النساء بیگم کے بطن سے پیدا ہوا تھا جو تخلص ساتھ لے کر دنیا میں نہیں آیا تھا۔“

قاضی صاحب کا یہ اعتراض سخت گہری اور اعتراض برائے اعتراض کی ایک انتہائی مثال ہے۔ اگر تحقیق کو قانونی و سائنسی صحت ہی عطا کرنی ہے تو کسی تحریر میں ”والد“ کا لفظ استعمال نہ کیا جائے بلکہ والدہ کا شوہر گھنے پر آگیا کی جائے، کیونکہ کس نے تحقیق کی ہے کہ مہینہ اولاد مہینہ والد ہی کے نطفے سے ہے۔ اب قاضی صاحب کے ایک مضمون سے صرف دو مثالیں ملاحظہ ہوں تاکہ ہم کہہ سکیں،

اِس گنایست کہ در شہر شما نیز گفتہ:

(الف) مرزا احمد بخشا داماد افشا ۱۱۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے ہوں گے۔

(تصحیح نادر، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵

میں بھی وہی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ سید محمد والدہ کے بطن سے نام اور شخص نے کر برآمد نہیں ہوئے تھے۔ افسوس یہ ہے کہ "ذکر غالب" کا مصنف اس غیر مجیدہ اعتراض سے خائف ہو گیا۔ پانچویں ایڈیشن میں لکھا ہے،

"مرزا ۸ رجب ۱۲۴۴ھ (۲۷ دسمبر ۱۸۷۷ء) کو بدھ کے ۱۱۱ سورج نکلنے سے

چار گھنٹی پہلے آگرے میں پیدا ہوئے"۔ (ص ۳۶)

ڈر ہو گا کہ مرزا اسد اللہ خاں لکھنؤ کے قاضی صاحب پھر گرفت کریں گے کہ بچہ ماں کے پیٹ سے اسد اللہ خاں نام لے کر پیدا نہیں ہوا تھا، حالانکہ ادیب کی مثالوں میں خود قاضی معترض نے دوسروں کو نام، شخص اور نسبتی رشتے کے ساتھ پیدا ہونے دیا ہے۔

۲۔ عادات و اخلاق کا ایک خاص باب قائم کیا ہے۔ یہ بھی عبد حاضر کی روش کے خلاف ہے۔ واقعات زندگی اس طرح بیان کرنے چاہئیں کہ عادات و اخلاق کا الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہ رہے۔

میرا خیال ہے کہ انگریزی میں جو بھی روش ہو، اردو میں شخصیت کا الگ سے ذکر کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

۳۔ مصنف نے حوالے نہیں دیے ہیں۔

مجھے یہ تسلیم کہ ملک نام اول اول اپنی کتابوں میں حوالہ کا حوالہ درج کرنے کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ قاضی عبدالودود اور رشید حسن خان کی جعبیوں کے بعد انھوں نے اطرافِ ہند کا طریقہ اختیار کیا۔ قاضی صاحب نے جن بیانات کا حوالہ طلب کیا ہے، لگتا ہے قاضی صاحب کو ان کی صحت میں شبہ ہے۔ میں ذیل میں اہم تر اعتراضات نقل کرتا ہوں۔ ان کے ساتھ ملنے کا حوالہ "اردو تحقیق اور ملک رام" کا ہے جس کے نیچے میں اپنی وضاحت درج کروں گا اور اس کے لیے "ذکر غالب" طبعِ ہند کا صلہ نمبر لکھوں گا۔

الف۔ غالب لکھنؤ میں تھے کہ ایک مشاعرہ بڑے پیمانے پر ہوا جس میں غالب نے ایک غزل پڑھی جس کا مطلع یہ ہے، "داں بچ کر جو غل غل آتا ہے ہم ہے ہم کو (اردو

تحقیق، ص ۱۲)۔ ملک رام نے طبعِ بختم، ص ۵۹ میں مشاعرے کی بات حذف کر کے صرف یہ لکھا کہ یہ غزل قیام لکھنؤ کی یادگار ہے۔

د۔ غالب میں کالے صاحب کے مرید تھے (ص ۱۲)۔ اس کی وضاحت آگے مذکور غالب، ص ۲۳۹ کے سلسلے میں ملاحظہ کیجیے۔

۵۔ یہ اطلاع کہ غالب نے ظفر کا سکہ کھا تھا، انگریزوں کو گوری شکر پاسوس سے ملی تھی (ص ۱۲)۔ طبعِ بختم میں حوالہ ہے، فاران (مشرق) فردوسی، ۱۸۳۳ء (۳۰-۳۲) (طبعِ بختم ص ۱۱۰)۔

ز۔ مظلوم ہونا ہے کہ مشتری نور — زہرہ — نے بھی اس معرکے میں حصہ لیا تھا — بعض — کا خیال ہے کہ شمس نے خود اعتراض لکھ کر ان دونوں کے نام سے شائع کیے تھے (ص ۱۴)۔ بعد کے ایڈیشن میں ملک رام نے اس کا نامزد "فہمیدہ جلد" جلدِ بختم، ص ۳۶ درج کر دیا ہے (ذکرِ بختم، ص ۱۸۰)۔

ح۔ عبدالصمد قبولِ اسلام سے پہلے زردھتی مذہب کے موید تھے — موید ہونا مصنف کے سوا کسی نے نہیں لکھا (ص ۱۱۷)۔

اعتراض قبول کر کے ملک رام نے یہ جملہ یوں بدل دیا، "اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ زردھتی مذہب کے پیرو تھے"۔ (ذکرِ بختم، ص ۲۳-۲۵)

ک۔ غالب کا مقصد قلم بازی کنور وزیر علی علی کی عدالت میں پیش ہوا تھا (ص ۱۱۷)۔ بعد میں اس کا نامزد "لال قلم کی ایک جھلک" از ناصر طبر فراق، ص ۳۳ درج کر دیا گیا (ذکرِ بختم، ص ۱۹۱)۔

ل۔ یہ تجویز کہ غالب دائرے کے درباری شاعر مقرر کیے جائیں (ص ۱۱۷)۔ لکھتے ہیں۔

"چیف سیکرٹری گورنمنٹ پنجاب نے لکھا کہ میرے خیال میں کنسر دہلی کی یہ سفارتی معقول ہے کہ ملایا حضرت ملکہ معطرہ کا تو نہیں، لیکن انھیں دائرے کا درباری شاعر مقرر کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ فاران حقیر ۱۸۶۵ء

(۱۰۰ ص ۷۸)، نیز فاروق محمودی (۱۰۱ ص ۷۸)۔ (ذکر غالب، ج ۱ ص ۷۷)

۴۔

۱۔ اہل تہذیب کی اس تحریک کے وجود کو غالب کی تجسّو و تفسّیر میں کے  
غضب کے مطابق ہو۔ — نواب حمید الدین احمد خان — اور حکیم محمود خان  
نے لکھے۔

یہ واقعہ جلی نے لکھا ہے، مگر ان کے بیان میں کبھی حکیم محمود خان کا نام نہیں آیا  
(ص ۷۸)۔

بلک رام نے طبعِ جہلم میں بھی محمود خان کا نام لکھا ہے لیکن کوئی حوالہ نہیں دیا۔  
اس سے پہلے غالب کی وفات سے پہلے دن حکیم محمود خان سے مطوے کا ذکر ہے جس  
کا لفظ لکھا ہے "برداشت بگا بیگم"۔ ظہیر الدین کے سلسلے میں ان کے بیان کا لفظ بھی  
بگا بیگم کی روایت ہے۔ (جہلم، ص ۷۸)

۲۔ "ولی محمد دہلی نے غالب کا پاد سہوہ سہلک مقرر کر دیا۔ یہ گھج نہیں معلوم  
ہوگا"۔ بلک رام نے اس کی صحت پر اصرار کر کے اس بیان کا لفظ "اروڑے مقلی"۔  
۱۰۵ (ایم عبدالغفور سردار درج کیا۔ (ذکر غالب، طبع جہلم، ص ۷۸)

۵۔ صدر میں کرنیل برٹن کے سامنے پیش ہونے کا ذکر ہے۔ ان کا گھج نام  
کرنیل برن تھا (ص ۷۸)۔ واضح ہو کہ خود غالب نے "دختر" میں ان کا نام کرنیل  
برٹن لکھا ہے (بلک رام ایڈیشن، ص ۷۸)۔ جلی نے بھی "یادگار غالب" میں ہی نام  
درج کیا ہے (طبع نول، ص ۷۸)۔ بلک رام نے بعد کے ایڈیشنوں میں گھج کر کے  
کرنیل برن کر دیا۔ (ذکر غالب، جہلم، ص ۷۸)

۶۔ دو ایوان خدی کا نام "سے خانہ آروڑ" لکھا ہے۔ گھج نام "سے خانہ آروڑ  
سراجم" ہے۔ (ص ۷۸)

اسم بھی بلک رام نے تسلیم کر دیا۔

۷۔ "مخدو خان کے خدی گھنے والوں میں بعض نام حمایت مشور ہیں — غمرد  
نیشی ب۔ بیڑا ب۔ امین گھڑ سہار، کاخی محمد صادق خان اختر ان میں سے

صاف تول کے لوگوں میں ہیں۔ "۔ مسجد اور احقر کا ہم خسرو و فیروز کے ساتھ لیا بڑا اپنی گالہ ہے (اس دعا)۔

احقر اس کو تسلیم کر کے ہلک رام نے بعد کے اپنے بیٹوں میں خسرو، فیضی، بیگل اور ہمر علی کو صاف تول میں رکھا۔ ان کے بعد چند اہم اس کے لیے کہا کہ اگرچہ ان کے پاس کے نہیں، مگر بھی بعد چھٹی ندرسی نویں میں بست مشور ہیں۔ ان اہم میں احسن اللہ مسجد کا ہم قابل کیا۔ صادق احقر کا ہم سرے سے خارج ہی کر دیا۔

غرض ہرگز نہ ہو سب کھلے

نہ فیروز نہ ہنگامہ الہ آباد

حاب کے اس طعن کی بنا پر کہا ہے کہ سفر کھلے میں حباب کے خلاف ایک ہنگامہ کھلے آگیا۔ صحیح الہ آباد میں بھی ہوا تھا۔ مجھے شبہ ہے کہ اس کا تعلق کسی کسی طرح غلام رام شید سے تھا۔

قاضی صاحب کی رائے میں حباب کی شید سے کوئی نزاع نہیں ہوئی۔ ہلک رام نے بعد کے اپنے بیٹوں میں سے شید کا ہم حذف کر دیا۔

غرض یہ ہے کہ قاضی صاحب کے بعض اعتراضات واقعی سبب مصنف کی تصحیح کرتے ہیں، لیکن بہت سے اعتراضات (روی ہیں)۔ یہ اتنے اہم نہیں جتنے ہلک رام صاحب کے متعدد انکشافات اور احاطے۔ کامل تبصرہ نگار کو ان کے بارے میں ایک حرف صبر کھینے کی بھی توفیق ہوئی ہوئی، اب میں اس کے چند مندرجات پر اپنے ملاحظات پیش کرتا ہوں۔ سطحوں کا نمبر طبع ختم کے مطابق ہے۔

پہلی عمومی بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ ہلک رام نے متعدد موقعوں پر جاتے ہیں "مفسر مصلحت و درج کی ہیں۔ انہیں متن میں کیوں نہیں لکھا۔ یہ کہہ میں نہیں آتا۔ میں نے اپنی کتاب "تحقیق کا فن" میں مفسر لکھا ہے کہ حتی الامکان جاتے کا استعمال اہل کے حوالے کے لیے کیا جائے۔ مفید تہجراتی مصلحت کو متن ہی میں دینا چاہیے۔ صرف ایسا تبصرہ جاتے میں دے سکتے ہیں جو متن میں دیا جائے تو دہل در مصلحت مطوم ہو (تحقیق کا فن، ص ۲۲۔ ۱۳۳۲) میں تو یہاں تک کہوں گا کہ "ذکر حباب"



میں تین اور حاشیے کے مطالب نے تعین میں بالکل مزاج کا عالم ہے۔ ایک موضوع کی پُر مغز بحث کا ایک حصہ تین میں دیا اور اس سے مشتق اتنی ہی پُر مغز مطومات حاشیے میں پھینک دی، مثلاً دیکھیے سفر گلکد کے حواشی۔

ابتدائی پانچ سطحوں ۱۷-۲۱ میں قدیم ایرانی غماندلوں کی تاریخ کا نچوڑ بڑی صراحت کے ساتھ درج کیا ہے۔ قاضی عبدالودود نے طبع دوم کی تفصیلات سے اختلاف کیا تھا۔ بعد کے ایڈیشنوں میں بالک رام نے ان کے بعض اختلافات کو قبول کیا، دوسروں کو نہیں۔ دراصل قدیم ایران کی تاریخ اساطیری زیادہ ہے، موجودہ معنی میں تاریخی کم، اس لیے مختلف راویوں کے یہاں مختلف بیانات ملتے ہیں۔ قاضی صاحب جن راویوں سے حلقہ گئیں، ضروری نہیں کہ مصنف "ذکر غالب" بھی ایسا ہی کرے۔

ص ۳۳۔ ملا عبدالصمد کے وجود کے بارے میں ایک اور شہادت ملے ہیں جو "مفسرہ غالب" کے مضمون "عبدالصمد اسجد غالب" میں نہیں۔ یہ مضمون "نوائے ادب" جنوری ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا تھا۔ "ذکر غالب" طبع ختم میں لوہا ملنے کا ایک قول درج کرتے ہیں:

"عبدالصمد ہاجر تھا۔ ڈھاتر کے لیے آگرے کو اس نے امید لگا دیا تھا" ( = نگار، رام پور، فروری ۱۹۵۳ء)۔

ص ۳۶۔ بالک رام غالب پرست نہیں۔ صاف لکھتے ہیں کہ غالب کی عربی سے واقفیت بہت معمولی تھی۔ وہ عربی میں آخر تک غلطیاں کرتے رہے۔ حاشیے میں واضح کرتے ہیں کہ عربی دماغ الصباح کا انھوں نے براہ راست ترجمہ نہیں کیا بلکہ کسی دوسرے کے ذریعے مٹی ترے کو اردو میں نظم کر دیا۔

میں پوچھتا ہوں کہ یہ بات حاشیے میں کیوں لکھی۔ اسے تین میں لکھنے میں کیا قباحت تھی۔

ص ۳۸۔ غالب کے ایک خط میں ستم پیٹھ ڈوسنی کا ذکر آگیا ہے۔ فلم اور فی دی والوں نے اس بات کا ہنگامہ بنا دیا۔ بالک رام مرعوبہ محبوب کو اسی سے مشتق کرتے

ہیں۔ ان کی رائے میں یہ ڈومنی کوئی رشتی نہیں تھی۔ اس غزل میں ایک شعر ہے،

شرم رسوائی سے جا چھینا نقاب خاک میں

غنیمت ہے الفت کی تجھ پر پردہ دامی ہائے ہائے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بازاری عورت نہیں تھی، ورنہ کہاں کی شرم رسوائی اور کہاں کی "پردہ دامی الفت"۔ اس شعر سے یہ بھی گمان گزر رہا ہے کہ شاید اس نے خود کشتی کر لی تھی۔ ملک رام نے قدیم محکموں کی بنا پر اس غزل کو ۱۸۶۱ء اور ۱۸۶۲ء کے بیچ کی تصنیف قرار دیا ہے۔

ص ۵۸ تا ۶۳۔ غالب کے سفر کلکتہ کے آغاز کی ہمہ بخوں کا مجملہ حمایت لکھا ہوا ہے اس سلسلے میں خود غالب کے، دوسرے سوانح نگاروں کے اور خود ملک رام کے بعض بیانات میں تضاد ہے۔ ملک رام نے مژکر غالب میں ان اختلافات کو درج کر کے انہیں نہیں سلکھایا۔ غالب "گل رحمان" کے خاتمے کی فارسی مرثیہ لکھتے ہیں کہ وہ نواب احمد بخش سے ملنے ان کے پایہ تخت (فیروز پور) حرم کا گئے تھے (ص ۱۳۹)۔ وہیں سے دہلی واپس آنے اور روزگار دراز تک وہیں ٹھہرے۔ اس کے بعد کلکتہ کے لیے روانہ ہوئے (ص ۱۵۱)۔ اس کے برخلاف مقدمہ پاشن کے حرشی دعوے میں لکھتے ہیں کہ وہ قریب خوابوں کے ڈر سے فیروز پور حرم کا گئے تھے بلکہ براہ راست کلکتہ کے ارادے سے کلکتہ پور کے لیے روانہ ہو گئے (افسانہ غالب، ص ۱۱۱)۔

ان متضاد بیانات کی وجہ سے مختلف محققین نے سفر کلکتہ کے آغاز کی مختلف تاریخیں درج کی ہیں۔ ڈاکٹر ابو محمد حرم لکھتے ہیں،

"شیخ اکرام کا قیاس ہے کہ غالب اگست ۱۸۶۱ء سے پہلے دہلی سے روانہ ہو

چکے تھے (غالب نامہ، طبع دوم، ص ۱۲۵)۔ مولانا غلام رسول مر کے مطابق

غالب یہ ہے کہ وہ — اپریل ۱۸۶۱ء میں روانہ ہوئے (غالب، طبع سوم، ص ۱۲۵)۔

۱۲۵۱ء ملک رام صاحب کی رائے میں وہ نومبر، ستمبر ۱۸۶۱ء میں دہلی سے روانہ

ہوئے۔" (۱)

(۱) گل رحمان، مقدمہ، ص ۱۱۱

بائک رام کو مقدمہ پنشن کا عرضی دسمبر ۱۸۸۳ء سے پہلے لندن میں مل گیا تھا، کیونکہ اسے انھوں نے اپنے مضمون "ذکر غالب" (الرج کل، فروری ۱۸۸۳ء) میں پیش کیا۔ اس کے باوجود وہ ۱۹۰۰ء تک اس کے برعکس سمجھے رہے۔

"وہ جب سفر پر روانہ ہوئے تھے تو چونکہ روائگی سے پہلے مولوی فضل حق خیر آبادی سے وراجی ملاقات نہیں کر سکے تھے، اس لیے ملنے کو دہلی واپس گئے اور پھر دوبارہ سفر پر روانہ ہوئے۔ کلیات کا بیان صحیح مطوم ہوتا ہے۔ درخواست میں انھوں نے اشتداد سے کام لیا ہے اور اس کا ذکر مناسب عہد میں نہیں کیا"۔ (۱۱)

کلیات کے بیان سے مراد کلیاتِ نثر غالب میں مشمولہ "گلِ رحمت" کی نثر ہے درخواست سے مراد مقدمہ پنشن کا دسمبر ۱۸۸۳ء سے پہلے مرتبہ "گلِ رحمت" کے مقدمے کی دوسری ہی سطر میں لکھے ہیں:

"وہ نومبر یا دسمبر ۱۸۸۳ء میں بٹی سے روانہ ہوئے"۔ (اس ۱۲)

یہ مؤلف "ذکر غالب" طبعِ چارم میں تھا۔ طبعِ پنجم میں عرضی دسمبر کے بیان کا اظہار نقل کرتے ہیں:

"دوسروں کی نظر سے چوری چھپے، ہمیں بدل کر، کسی طرح کا ساز و سامان لیے بلیر سو مشکلوں سے نواب احمد بخش خاں کے ساتھ ہجرت پور کے لیے روانہ ہو گیا"۔ (اس ۱۵)

حاشیے میں لکھتے ہیں:

"یاد رہے کہ یہ نومبر یا دسمبر ۱۸۸۵ء کا ذکر ہو رہا ہے۔"

گویا "ذکر غالب" طبعِ چارم اور مقدمہ گلِ رحمت کے مطابق سفرِ گلندہ نومبر یا دسمبر ۱۸۸۳ء میں شروع ہوا اور "ذکر غالب" طبعِ پنجم کے مطابق نومبر یا دسمبر ۱۸۸۵ء میں۔ ڈاکٹر ایف محمد عمر اپنے ۱۹۷۱ء کے مضمون میں لکھتے ہیں:

"ہاتھ گلِ رحمت کی عدم صحت پر اگر اشتداد کی دلیل لائی جا سکتی ہے تو

درخواست کے مفصل بیانات کی عدم صحت پر مقدمے بازی کی مصطلحتوں کے تحت نظر احلال کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نکلنے پہنچنے ہی غالب کو یہ احساس دلایا جا چکا تھا کہ ان کو اپنا مقدمہ پہلے دہلی کے ریڈیو ٹی کے سامنے پیش کرنا چاہیے تھا۔ (غالبیت اور ہم، ص ۲۷)

اسی لیے انھوں نے حیلہ تراشا کہ قرض خواہوں کے ڈر سے وہ دہلی نہیں جا سکتے تھے وہ کھنڈ کتنا عرصہ رہے اور کھنڈ ایک ہی بار گئے کہ دوبارہ اس کے بارے میں ملک رام نے بحث نہیں کی۔ محترمہ الدولہ آغا میر کے لیے لکھی گئی فارسی سرکی تاریخ پر بھی رد ہونی نہیں ڈالی۔ ملک رام کھنڈ میں غالب کے صاحب فرائض ہونے کی مذمت "پلنگ" مینے سے کچھ دن اوپر "کھنڈ" میں (ص ۵۹) لکھتے ہیں اسے ۱۹۵۷ء کے وسط کا ذکر قرار دیتے ہیں۔ ابو محمد عمر قیام کھنڈ کی مذمت کے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیخ اکرام کے نزدیک غالب تقریباً گیارہ مہینے کھنڈ رہے (غالب ہمارے، ص ۲۵)۔ غلام رسول میر کے نزدیک کھنڈ میں اتنا طویل قیام امر مستبعد ہے۔ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ وہ کھنڈ سے کلن پور جا کر دوبارہ کھنڈ آئے (غالب، ص ۳۳)۔ حوالہ "غالبیت اور ہم"، ص ۵۷۔

ابو محمد عمر لکھتے ہیں،

"نومبر ۱۹۵۷ء سے جون ۱۹۵۸ء تک تقریباً آٹھ ماہ وہ جینی طور پر کھنڈ میں تھے۔ جس طرح انھوں نے اپنی درخواست میں مصطلحت نکلنے کے سطر سے پہلے فیروز پور سے دہلی آنے کا اظہار نہیں کیا، اسی طرح ان کا یہ بیان کہ وہ کھنڈ میں پلنگ ماہ سے کچھ اوپر مقیم رہے، کسی مصطلحت پر جبنی ہے اور جب ان کے بیان کے برخلاف کھنڈ میں ان کے قیام کی مذمت کم سے کم آٹھ ماہ ثابت ہے تو یہ مذمت ایک سال بھی تسلیم کی جا سکتی ہے۔" (ایضاً ص ۳۳-۳۴)

کاظم علی خان قیام کھنڈ کی مذمت پندرہ مہینے قرار دیتے ہیں (غالب کا قیام کھنڈ۔ تحقیق کی روشنی میں، ہماری زبان، یکم مارچ ۱۹۸۰ء)۔

ہمارے میں غالب کے قیام کے سلسلے میں ملک رام جانی لکھتے ہیں :

"اس سے ہی قہر نکلتا ہے کہ ایک مرتبہ ۱۸۵۵ء میں جو دہلی سے نکلے تو پھر فیروز پور ، کان پور ، گھنٹو اور ہمارے میں ڈیڑھ سال کے قیام کے بعد سید سے نکلتے چلے گئے "۔ (ص ۳۰)

نکلنے پہنچنے کی تاریخ ۲۱ فروری ۱۸۵۵ء ہے (ذکر ، ص ۳۶)۔ اگر غالب نومبر ، دسمبر ۱۸۵۵ء میں دہلی سے نکلے تو دہلی سے نکلتے پہنچنے تک کی مدت تقریباً سوا دو سال ہوتی ہے۔ اگر ملک رام ، احب کے جہول ، غالب گھنٹو میں محض پانچ ماہ سے کچھ دن اوپر رہے تو جیسے ایک سال دس مہینے انھوں نے کہاں کہاں گزرا ہے ، یہ واضح کرنا چاہیے تھا ، صرف اپنا موقف درج کرنا کافی نہیں۔ دوسرے اہم شخصین نے اگر اس کے خلاف لکھا ہے تو اس کی تردید میں دلائل دینے چاہئیں۔ ان کی عدم موجودگی میں تھنگی کا احساس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر حنیف نقوی نے " غالب نامہ " جنوری ۱۹۸۵ء میں ایک طویل اور مدلل مضمون " غالب کا سفر کلکتہ " شائع کیا۔ یہ ان کے مضمون " غالب ، احوال و آثار " (گھنٹو ، ۱۹۹۰ء) میں شامل ہے۔ اس میں انھوں نے مختلف حضرات کی تحریروں کا جائزہ کر کے غالب کے سفر گھنٹو کی مختلف منزلوں کا یہ قائم ثبیل تیار کیا ہے جسے سب سے زیادہ عقلی ، منطقی ، ماننا ہوں۔ اس میں صفحوں کا نمبر ان کے مضمون کے مطابق ہے۔

نومبر ۱۸۵۵ء کے آخر میں دہلی سے ہجرت پور کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں سے فیروز پور ، پھر کہ گئے اور اگست ۱۸۵۶ء تک وہیں رہے (ص ۳۰)۔

ستمبر ۱۸۵۶ء میں فیروز پور سے روانہ ہو کر اکتوبر میں کان پور پہنچے (ص ۳۱)۔ نومبر ۱۸۵۶ء میں گھنٹو پہنچے اور ۲۱ جون ۱۸۵۷ء تک وہاں رہے۔ ۲۳ جون کو وہاں سے چل کر ۲۵ جون ۱۸۵۷ء کو کان پور پہنچے (ص ۳۲)۔

آگست ۱۸۵۷ء کے نام نگر میں داشت اپریل یا مئی ۱۸۵۷ء میں لکھی گئی ہوگی (ص ۶۸)۔ کان پور میں دو مہینے دن قیام کر کے جولائی ۱۸۵۷ء کے پہلے نصف میں ہمارے پہنچے ہوں گے (ص ۷۸)۔

جولائی ۱۸۵۷ء کے پہلے نصف سے ستمبر کے اواخر یا اکتوبر ۱۸۵۷ء کے اوائل تک ہمارے رہے۔ (اوائل اکتوبر سے نومبر کے دوسرے نصف تک کا حساب نہیں دیا گیا کیونکہ چند

نومبر کے دوسرے مطلع میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ ۱۵ نومبر کو مودھا پہنچے تھے۔  
۱۸ نومبر کو وہاں سے روانہ ہو کر احمد شہ ایک گھنٹوں میں بسری۔ ۲۰ نومبر کو چلہ جہا  
پہنچے، وہاں سے کشتی لے کر ۲۷ نومبر کو الہ آباد پہنچے (ص ۸۰)۔

۲۸ نومبر ۱۸۴۷ء سے کشتی کے ذریعے الہ آباد سے روانہ ہوئے۔ زیادہ سے زیادہ یکم  
دسمبر ۱۸۴۷ء تک بنارس پہنچ گئے ہوں گے (ص ۸۱)۔

۲۹ دسمبر ۱۸۴۷ء کو بنارس سے نکلنے کے لیے روانہ ہوئے اور ۳۰ دسمبر دن میں ۱۹ فروری  
۱۸۴۸ء کو نکلنے پہنچے (ص ۸۲)۔

۱۵ اگست ۱۸۴۹ء کو نکلنے سے روانہ ہوئے۔ ۳۰ اکتوبر ۱۸۴۹ء کو باندہ پہنچے۔ چند روز  
کے بعد وہاں سے چل کر ۲۹ نومبر ۱۸۴۹ء کو دہلی واپس چلے آئے (ص ۸۳)۔

ص ۸۴ (ذکر غالب)۔ مصنف جاشی میں مطلع کرتے ہیں کہ سفر نکلنے کے دوران  
انہوں نے باندہ کے ایک شخص اسی چند سے دو ہزار روپیہ قرض لیا تھا۔ اس سلسلے میں  
عمر مشتاق شارق نے اپنے یکم ستمبر ۱۸۷۷ء کے مکتوب میں ملک رام کو مطلع کیا کہ اس  
کا صحیح نام اسی کرن تھا اور وہ فرم "سیٹھ ہری کرن دوی کرن متا بینکرز باندہ کے  
دوی کرن کا بیٹا تھا"۔ ملک رام نے شارق کا یہ مکتوب "تمہیں" بابت اکتوبر دسمبر  
۱۸۷۷ء ص ۱۱ پر شائع کر دیا۔

ص ۹۷۔ نکلنے کے مشاعرے میں غالب نے "میں برصغیر" والی قطاع فیہ غزل  
پڑھی تھی۔ ملک رام ۱۸۷۹ء میں نکلنے گئے تو متعدد بزرگوں سے مشاعرے کی عادت اور  
حاضرین وغیرہ کی صحیح تفصیل معلوم کر کے درج کی۔

ص ۹۸۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے نکلنے میں غالب کے تین معترضین کی شناخت کی۔  
یہ تھے، احمد علی گوباسی، احمد علی مدرس مدرسہ عالیہ اور مولوی دہلوت علی  
دفتر انشاگورز جہڑ۔ ملک رام لکھتے ہیں کہ احمد علی گوباسی اور دہلوت کشمیری کے  
بارے میں وہ کچھ کہنے سے قاصر ہیں، لیکن دوسرے احمد علی کے بارے میں تصحیح کی کہ  
وہ سفر نکلنے کے بعد ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے، ان کا تعلق "چلیچ بہان" کے متر کے  
سے تھا۔

شانتی رنجن بھٹاپادیہ نے اپنے مضمون "غالب کے شاگرد، مستفیدین اور مخالفین" میں احمد علی گوپاسوی کے حالات تفصیل سے (ص ۶۸-۷۹) اور وجاہت علی کے مختصراً (ص ۷۹) میں لکھے ہیں۔ (بنگال میں اردو زبان و ادب چند تحقیقی مطالعات، گھنٹو، ۱۹۷۱ء) ص ۵۵ تا ۸۶۔ ملک رام نے مقدمہ پنشن کی تفصیلات بہت تفصیل سے اور سلحا کر بیان کی ہیں۔ آخری فیصلے کے سلسلے میں ۱۸۵۳ء تا ۱۸۵۴ء کی ٹھکنے پر ٹیکل کی عین دستاویزوں کا حوالہ دیتے ہیں۔

ص ۹۰۔ عام خیال یہ ہے کہ غالب جوئے کی لت میں ایک ہی بار ماخوذ ہوئے تھے، لیکن ملک رام نے اخلاص کیا کہ ۱۸۵۱ء میں بھی اس سلسلے میں مرزا کے مکان پر چھاپا پڑا تھا۔ ان پر سو روپے جرمانہ ہوا جس کی عدم ادائیگی کی صورت میں چار مہینے قید خانے میں رہنا پڑتا۔ بظاہر انھوں نے جرمانہ ادا کر دیا۔ سند، "دلی اردو اخبار" ۱۵ اگست ۱۸۵۱ء۔ کلی داس گپتا کے مطابق یہ دریافت ملک رام کی اولیت میں ہے۔ (غالبیت میں اولیت ملک رام، ملک پیر، ص ۶۸)۔

ص ۳۰۰ غالب کے بیان کے مطابق ملک رام لکھتے ہیں کہ مرزا یوسف نے ۱۸ اکتوبر ۱۸۵۱ء کی رات کو سخت بخار میں انتقال کیا۔ متن میں یہ لکھنے کے بعد فٹ نوٹ میں معین الدین حسن خان اور بکا بیگم کا یہ بیان درج کرتے ہیں کہ مرزا یوسف گھر سے باہر نکل کر ٹیلے لگے کہ مارے گئے۔ اب میری گنج میں یہ نہیں آتا کہ اس اختلافی بیان کو حلشے میں کیوں دیا، متن ہی میں کیوں نہیں؟ چونکہ اس کی بات صحیح تر ہے، اس لیے متن میں ملک رام کو ترجیح ہی درج کرنا چاہیے تھا، اس کے بعد غالب کا ملاحظہ "کا بیان دیتے کہ ان کے بھائی، بخار سے مرے۔"

ص ۱۱۳ تا ۱۲۲۔ ۱۸۵۵ء سے ۱۸۵۴ء تک غالب اپنی پنشن میں اخلاص کی جنگ لڑا کیے اور اس میں ناکام رہے۔ ۱۸۵۸ء کے بعد سے ضبط شدہ قلیل پنشن اور دربار و خلعت کی بھلی کے لیے جلا کرتے رہے۔ اس سلسلے میں ملک رام نے غالب کے خط بنام حنفیہ مؤرخہ ۲۹ مئی ۱۸۵۳ء کی طرف توجہ دلائی ہے کہ سرکار نے ان کی پنشن میں پانچ روپے مینا وضع کر کے اسے ٹھنڈے سادھن روپے اٹھ آنے کر دیا۔ ملک رام لکھتے

ہیں کہ یہ باطنی فلم ممتا ہے، کیونکہ اس خط کے علاوہ انھوں نے کبھی نہیں لکھا کہ  
 صدر سے پہلے انھیں کبھی سلائے ہاتھ سے گم لے ہوں (ص ۱۱۷)۔

ہر حال وہ اپنی دوسری جنگ میں کامیاب ہو گئے، مئی ۱۸۵۸ء میں پنشن بھل ہو گئی  
 اور ۲ مارچ ۱۸۵۹ء کو دیباہ و خلعت بھی بھل ہو گیا (ص ۱۱۹)۔ ہر بات کی صحیح  
 تفصیلات ”ذکر غالب“ میں کماحقہ ملتی ہیں۔

غالب کی زندگی کی ان دو جنگوں کے علاوہ آخری ایام میں ”بہارِ قاطع“ کا محرکہ  
 بھی بہت اہم تھا۔ بانک رام نے سوانح کے باب میں اس کے بارے میں ایک لفظ نہیں  
 لکھا بلکہ دوسرے باب میں تصنیفات کے بعد دیا ہے۔ ضرورت تھی کہ سوانح میں بھی  
 اس کا ذکر، مختصراً ہی سہی، کیا جائے۔

”ذکر غالب“ کا دوسرا باب تصنیفات کے بارے میں ہے جس میں غالب کی زندگی  
 اور بیسویں صدی میں حدائقِ مجموعوں کے بارے میں صحیح تفصیلات دی گئی ہیں۔ مثلاً  
 ”موجِ حبیب“ کے بارے میں یہ بتایا کہ اس کا پہلا ایڈیشن نومبر ۱۸۵۸ء کے پہلے نصف میں  
 بازار میں آیا (ص ۱۳۹) یا ”بارِ دور“ کے بارے میں یہ تعین کہ اس میں ”سہ چمن“  
 سے ۱۳۶ شعر زیادہ ہیں (ص ۱۵۶)۔ ایک بحث ہے کہ غالب کا اردو دیوان کب مرتب  
 ہوا۔ میں اس مقالے میں آگے چل کر ایک مضمون کے سلسلے میں ذکر کروں گا۔  
 ”ذکر غالب“ میں اپنے پہلے کے مؤلف میں مزی بہت کر لگتے ہیں۔

”میرا خیال ہے کہ اس نمانے میں شاید انھوں نے صرف اردو کلام کا ایک  
 مستقل انتخاب مرتب کیا جو مداولِ دیوان کی توہین یا ابدائی شکل مسمی  
 جاسکتی ہے اور اس کے لیے دیباچہ بھی لکھا“۔ (ص ۱۶۵)

بانک رام نے اس پر توجہ نہیں کی کہ نکلنے کا فارسی دیباچہ صرف ”گلِ رحمت“  
 کا دیباچہ ہے جس کے آخر میں ”گلِ رحمت“ کا نام بھی دیا ہے۔ مداولِ دیوان کا  
 دیباچہ اس سے مختلف ہے، اس لیے کون جانے کہ انھوں نے نکلنے میں اردو دیوان کا  
 انتخاب کیا تھا کہ نہیں۔ اس سلسلے میں بانک رام لکھتے ہیں کہ دیوان کے پہلے ایڈیشن



کے ساتھ غالب کا اپنا فارسی دیباچہ اور آخر میں ضیاء الدین احمد خان کی تقریظ ہے جو ۱۳۳۵ھ میں لکھی تھی (ص ۱۸۵)۔ لیکن مصنف نے اس نام نکتے کو قلم انداز کر دیا کہ معادلہ دواہن کے دیباچے کی تاریخ ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ ہے جو نکلائی بدایونی نے کسی قلمی نسخے میں دلجی تھی۔

تصانیف کے باب میں آخری جزو (ج) ”قاطع بہان“ کا معرکہ ہے کہ جس میں تمام ضروری معلومات تحقیق کے ساتھ یک جا کر دی ہیں۔ انھوں نے اس موضوع کو ”مدات و الحقائق“ کے باب میں بھی لیا ہے۔ میں اس کے بیان کو یہیں لیتا ہوں۔ وہ مصنف ”قاطع بہان“ کے سلسلے میں لکھتے ہیں،

”بہر حال ایک بات بالکل واضح ہو گئی کہ مرزا اپنے دعوے میں حق بجانب

تھے۔ انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستانی فارسی داں ہرگز قابل اعتبار

نہیں۔“ (ص ۱۳۹)

یہ دعویٰ غالب کی طرف داری معلوم ہوتا ہے۔ قاضی عبدالودود نے اپنے مضمون ”غالب بحیثیت محقق“ میں دکھایا کہ غالب کی فارسی دانی اغلاط سے خالی نہیں، نہ صرف فارسی بلکہ انھوں نے اردو زبان بھی غلط استعمال کی ہے اور وہ علوم ادبیہ، عروض و نثریہ وغیرہ کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

قاضی صاحب نے اپنے نام حافظ محمود شیرانی کا ایک خط شائع کیا ہے جس کا ایک اقتباس یہ ہے،

”غالب کو فن لغت اور اس کی روایات سے کچھ دل چسپی نہیں معلوم ہوتی

ورنہ ایک شخص کو جو ان سے دو صدی قبل گزرا ہے اور جس کا دعویٰ ہے کہ

عربی حیثیت ایک مدقن کی ہے نہ موجد کی، اپنی طباطبائی اور نہایت کا نشانہ نہ

بٹاتے۔۔۔ بہان قاطع لی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب خود ایرانیوں کو

اس کا حوالہ دیتے دیکھتے ہیں۔“

اجاب بحیثیت محقق، نجم جاب، ص ۱۳۹۔

ڈاکٹر نذیر احمد کی رائے ہے۔

مگر چہ مرزا غالب کے اکثر اعتراض غلط ہیں، لیکن اس سے یہ اندازہ لگانا صحیح نہ ہو گا کہ بہانہ قاطع ہر طرح کے اسقام سے پاک ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس فرہنگ میں بعض بنیادی غرابیاں ہیں، لیکن غالب مسائل فرہنگ نویسی سے کماحقہ آگاہ نہ تھے، اس بنا پر ان کی نظر ان غرابیوں تک نہ پہنچ سکی۔

(اگر قاطع بہانہ صحیح ضائع، ص ۱۰۷، ص ۱۰۸)

بلکہ رام "قاطع بہانہ" کے طبعی مزاج میں غالب کی گفتنی بھی طرف داری کریں، لیکن اس کے لیے کے ہمارے میں سب 'لاگ اور غیر جانب دار ہیں۔ غالب کی اصاحت "قاطع بہانہ" پر گتھے ہیں،

"پھر اس کے بعد جس طرح شرم و حیا اور تہذیب و شرافت کی مٹی پلید ہوئی، وہ ہماری ادبی تاریخ کا بہت ہی دفسوس ناک باب ہے، لیکن از سب کی بات یہ ہے کہ اگر 'البدی' اعظم' کے اصول سے دیکھا جائے تو اس کے لیے بہت حد تک میرزا خود ذمے دار تھے۔ انھوں نے اپنی درست گفتاری کی جو توجیہ کی ہے، وہ بہت بڑی ہے"۔ (ص ۱۳۸)

واضح ہو کہ "ذکر غالب" طبع دوم میں انھوں نے غالب سے زیادہ ان کے مخالفین کو پھکڑ باندی کا مجرم قرار دیا تھا، شرم و حیا اور تہذیب و شرافت کی مٹی پلید کرنے کا ذمے دار غالب کے مخالفین کو ٹھہرایا تھا۔ قاضی عبدالودود کے اعتراض کے بعد مخالفین کی بات حذف کر کے اسے عمومی بنا دیا۔

"ذکر غالب" کا سیرا باب 'عادات و اخلاق' ہے۔ اس کا بہتر عنوان 'شخصیت' ہو سکتا تھا۔ یہ باب بھی بہت مفصل، اور بھرپور ہے۔ مثلاً لباس کے عنوان کو دیکھیے، معلوم ہوتا ہے مصنف برسوں، رات دن مرزا کے ساتھ رہے ہیں۔ یہ جزئیات اور کہیں دکھائی نہیں دیں، کم از کم "یادگار غالب" میں تو نہیں۔ موتی میں سکونت کے عنوان کے تحت ان مکالموں کی تفصیلات ہیں جن میں مرزا رہے ہیں۔ ان میں میرزا

لیے سب سے زیادہ چمکانے والی بات یہ ہے کہ نواب انور اللہ کے نام ایک غاری خط میں لکھتے ہیں کہ "۳۰ سال ہوئے کہ میں نے غلہ و کاشتات فروخت کر دیا ہے۔" اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں، لیکن ملک رام کا قیاس ہے کہ یہ ۱۸۵۵ء سے پہلے کا ہے۔ ممکن ہے انھوں نے گلگتے کے سفر سے پہلے ذاتی مکان کو اونے ہونے فروخت کر دیا ہو کیونکہ سفر کے لیے بڑی رقم درکار تھی (ص ۱۹۹)۔

معترف نے غالب کی اس بات پر داد دی ہے کہ واجد علی شاہ معزول ہو گئے جب بھی غالب نے ان کے لیے قصیدہ لکھ کر بھیجا (ص ۱۲۳)۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ غالب نے ان کی معزولی کے بعد بھی مدح سرائی سے ہاتھ نہ کھینچا۔ غالب کے مذہب کے سلسلے میں معترف لکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے شیعوں اور سنی دونوں مسلکوں کے دوستوں پر اپنی شیعیت کا اظہار کیا۔ ص ۲۳۳ پر مجروح کے نام کے خط کے بعد قوسین میں لکھتے ہیں (مجروح سنی)۔

میرے سامنے کالی داس گپتا رضا کا تذکرہ غالب کا نسخہ ہے۔ انھوں نے یہاں "سنی" کا تذکرہ "شیعوں" لکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں معترف یا صاحب نے سوا "سنی" لکھ دیا ہو گا، کیونکہ ملک رام نے طلحہ غالب میں مجروح کو سرخا "ابنہ عطری شیعہ" لکھا ہے، طلحہ دوم، ص ۴۴۔

ملک رام مسلک کے بارے میں غالب کی وسعت نظر کی یوں نشان دہی کرتے ہیں۔ "شیعیت کو اگرچہ کلیے کی حیثیت سے تو بے شک نہیں، لیکن بالعموم تصوف ہے ایہ قسم کا بغیر ضرور رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں شیخ اور بیعت کا تصور دوسرے سے معقود ہے۔" (ص ۲۳۸)

اس کے باوجود غالب اپنے صوفی ہونے کا بھی شد و مد سے اعلان کرتے ہیں، "وہ حضرت مولانا غفر الدین کے پوتے مولانا نصیر الدین عرف میں کا۔" سے بیعت بھی تھے۔ کون کثر شیعہ کسی غیر شیعہ، سنی، صوفی کے ہاتھ پر بہت کسے گا؟" (ص ۲۳۵)

قاضی عبدالودود نے اپنے تبصرے میں اس بیان کے اخذ کے عدم اہتمام پر اعتراض کیا تھا۔ طبع بنیم میں جاشے میں سیر صدی مجروح کے خط کا حوالہ دیتے ہیں۔  
 "سنو، میر نصیر الدین اولاد میں سے ہیں شاہ محمود اعظم صاحب کے۔ وہ خلیفہ تھے مولوی فخر الدین صاحب کے، اور میں مرید ہوں اس خاندان کا۔"  
 اردو سے معنی: ۱۳۸۰ء

مالک رام واضح کرتے ہیں،

"مولانا فخر الدین اور ان کے صاحب زاوے مولانا غلام قلب الدین دونوں کا آگے چھپے ۵۸۷ء میں یعنی غالب کی ولادت سے بارہ حیرہ برس پہلے انتقال ہوا۔ ظاہر ہے کہ وہ مولانا غلام قلب الدین کے صاحب زاوے میں کالے صاحب ہی کے مرید ہو سکتے ہیں۔" (جاشے ۲۳۹)

مالک رام کا استدلال درست ہو سکتا ہے، لیکن غالب نے "بیعت" کا لفظ استعمال نہیں کیا، صرف مرید ہونا کھا ہے اور وہ بھی میں کالے ہی کا نہیں بلکہ اس پورے خاندان کا۔ مرید ہونے سے کہیں ان کی مراد محض عقیدت مندی تو نہیں، ہر حال معتف نے بڑی خوبی سے غالب کے مسلک کی سیر چشمی افشا کی ہے۔ اس باب کے آخری حصے میں معتف نے ایک بہت دل چسپ معلومات ہم پہنچائی ہے جس سے میں واقف نہ تھا۔

"ان میں ایک صفت ایسی تھی جو ترکوں میں نہیں پائی جاتی۔ ترکوں میں ایجاز اور اختراع کا مادہ سرے سے نہیں۔ آپ کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتے جہاں کسی ترک نے کسی میدان میں کوئی نئی دریافت کی ہو۔ میرزا اس کلیے سے مستثنیٰ تھے۔" (ص ۲۵۳)

زخم یہ ہے کہ اس باب میں غالب کی نصیریت، محبت، عقیدت، ادب، نفرت وغیرہ کا مطالعہ خوب خوب ہے۔

نخستہ الدین احمد اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

”امروز بیگم، حسین علی خاں اور باقر علی خاں کے سنین وفات اور

حسین علی خاں کے مدفن کے معطیات پہلی مرتبہ اسی کتاب میں ملتے ہیں۔“

(ذکر غالب، مشورہ، ملک رام، ایک مطالعہ، ص ۱۰۷)

”ذکر غالب“ سورج غالب کا مستند گنجیدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ غالب کی زندگی کے

واقعات اور تصانیف کے بارے میں کچھ جانتا ہو تو ہم ”ذکر غالب“ پر جس قدر اعتماد کر سکتے ہیں، اس کا کسی اور سورج عمری غالب پر نہیں۔

مرزا غالب (انگریزی)

یہ کتاب نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، نئی دہلی نے لکھائی ہے۔ انھوں نے قوی

سورج عمریوں کا سلسلہ شروع کیا اور یہ اس سلسلے کی چوبیسویں کتاب ہے۔ اس کا پہلا

ایڈیشن ۱۹۸۸ء میں اور دوسرا ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا، میرے سامنے آخر الذکر ہے۔ اس

میں قن کے مدد ملے ہیں۔ عرض طیبی اپنے مضمون ”نگارشات ملک رام“ میں اطلاع

دیتے ہیں کہ اس کتاب کا ترجمہ ذیل کی زبانوں میں ہو چکا ہے،

”ہندی، پنجابی، بھارتی، مراٹھی، تیلگو — اس کا اردو ترجمہ پاکستان میں

مولوی محمد اسماعیل پانی پتی نے کیا ہے۔“

(اردو مطالعہ، ملک، نول، ص ۱۰۷)

اس کتاب میں دو ابواب ہیں۔ پہلا طویل باب سورج کا ہے اور ۵۵ صفحات کو محیط

ہے اس میں غیر اردو قارئین کے لیے غالب کی سورج کو جس اختصار لیکن جامعیت کے

ساتھ بحث کیا ہے، اسے دیکھ کر عجب عجب کرنا پڑتا ہے۔ گاہر میں ساگر کی بہترین مثال

ہے۔ مصنف کی انگریزی پر قدرت بھی داد طلب ہے۔ سورج کے سلسلے میں لکھتے ہیں،

”اس کے ایک فارسی خط سے مطوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنا ذاتی مکان

بھی خرید لیا تھا اور اس میں قفل ہو گیا تھا۔ لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ اپنے

خسرانی بخش خاں کے ساتھ کب تک مقیم رہا۔“ (ص ۱۵)

دوسرے مختصر باب کا عنوان ”غالب کا آرٹ“ ہے۔ اس میں مین مضامین کی تفسیر کے بعد ۱۹۵۶ء پر غالب کی منتخب غزلوں کے تراجم مختلف عنوانات کے تحت دیے ہیں۔ ترجمے مثنوی نظم میں معطوم ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خود مصنف کے کیے ہوئے ہیں۔

کتاب جس سچے ہوئے انداز، ایجاز و استناد کے ساتھ لکھی گئی ہے، اسے دیکھ کر ہی چاہتا ہے کہ یہ اردو میں بھی ان قارئین کے لیے پیش کر دی جائے جو سوانح غالب کی تحقیقی موضوعاتیوں سے دل چسپی نہیں رکھتے بلکہ سوانح کے بابے میں ضروری معلومات چاہتے ہیں۔ پاکستان میں اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے، اسی کو ہندوستان میں بھی چھاپ دینا چاہیے۔

### علامہ غالب

بعض مددگار کسی ایک ہی استاد کے شاگردوں کے حالات پر مشتمل ہوتے ہیں، مثلاً مومن لال امیں کا مدکرہ ”امیں الاحباء“ مرزا خانم کلین کے شاگردوں کا مدکرہ ہے۔ ملک رام نے بھی ایک جامع مدکرہ ”علامہ غالب“ کے نام سے مرقب کیا۔ اب تک اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ ۱۔ طبع نول ادارہ تصنیف و تالیف، نکلور (پنجاب)، ۱۹۵۸ء۔ ۲۔ دوسرا اضافہ و ترمیم شدہ ایڈیشن مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۵۳ء۔ مصنف نے طبع دوم کے دہاپے میں کتاب کی شان نزول یوں بیان کی ہے،

”وہ ۳۹-۱۹۳۸ء میں مرزا قنیل کے حالات کی تحقیق کر رہے تھے۔ اسی سے خیال ہوا کہ کیوں نہ غالب کے شاگردوں کے حالات جمع کر دیے جائیں۔ اگلے ۱۵ سال وہ مسلسل ملازمت ملک سے باہر رہے، لیکن وہیں رہتے ہوئے بھی علامہ غالب کی حیدری کرتے رہے۔ اخیر ۱۹۵۳ء سے اخیر ۱۹۵۸ء تک وہ ہندوستان میں رہے جن میں ۱۹۵۸ء میں کتاب شائع ہوئی۔ اس میں غالب کے ۱۳۶ شاگردوں کے حالات اور نمونہ کلام مختلف قلمی اور مطبوعہ کتابوں اور رسالوں

سے لے کر ترتیب دیے ہیں۔ ان کے علاوہ حواشی میں دوسرے ۲۹ حضرات کے حالات ہیں جو غالب کے شاگرد نہیں۔

”طلذۃ غالب“ طبعِ اولیٰ پر بہت سے تبصرے شائع ہوئے جن میں خوبوں کے اعتراف کے ساتھ اخطا کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔ ان میں سب سے اچھا مضمون ڈاکٹر خلیف نقوی کا ”طلذۃ غالب پر ایک نظر“ رسالہ اکادمی لکھنؤ، بابت جنوری فروری ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔ ملک رام نے ”طلذۃ غالب“ طبعِ دوم کے دیباچے میں اسی مضمون کو بہترین بتایا ہے۔ خلیف نے اپنے مضمون میں دوسرے تبصروں کی یہ فہرست دی ہے

- ۱۔ حسین کاظمی تحریک دلی، مارچ ۱۹۵۹ء
- ۲۔ نثار احمد فاروقی ۱۹۵۹ء۔ باز طباعت، تلاش غالب، ۱۹۶۹ء
- ۳۔ مشفق خواجہ غالب اور طلذۃ غالب، محرکہ بشیر میں، رسالہ اردو کراچی، غالب نمبر، جنوری مارچ ۱۹۶۹ء
- ۴۔ کب علی خان فاضل رام پوری کچھ طلذۃ غالب کے بارے میں
- ۵۔ ڈاکٹر وحید قریشی طلذۃ غالب، ایو نو کراچی، جنوری فروری ۱۹۶۹ء
- ۶۔ مہیث الدین فریدی طلذۃ غالب کی تاریخی غلطیاں، مشمولہ ۳۲ اردو تحقیق اور ملک رام، ۱۹۷۵ء (رسالہ اکادمی لکھنؤ،

جنوری فروری ۱۹۸۵ء، ص ۱۶-۱۷)

خلیف نقوی کے مضمون کے علاوہ نثار احمد فاروقی کا مضمون بھی اہم ہے۔ ان تبصروں اور اپنی ذاتی تحقیق کی مدد سے ملک رام نے دوسرے ایڈیشن میں کافی ترمیم و تصحیح و اضافہ کیا۔ پہلے ایڈیشن میں ۱۶۷ شاگردوں کے حالات ہیں، دوسرے میں ۱۸۵ کے ان میں شامل کیجیے جیسے کے حکیم سولہ، بخش قلق میرٹھی کو جو غالب کے باخابطہ شاگرد نہیں تھے، لیکن غالب نے ان سے انتصواب کیے بغیر ان کے انگریزی نظموں کے منظوم تراجم کی اصلاح کر دی تھی۔ دوسرے ایڈیشن میں طبعِ اول کے دو ایک نام حذف کر دیے ہیں، کیونکہ ان کا شاگرد غالب ہونا مشکوک تھا۔ طبعِ اول میں حواشی میں

ان ۲۹ حضرات کے حالات ہیں جو شاکر دہلوی - طبع دوم میں ایسے حالیہ فطینوں کی تعداد ۳۰ ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر خلیف نقوی نے "طلحۃ غالب" طبع دوم پر بھی تبصرہ کیا، طلحۃ غالب (طبع ثانی) پر ایک نظر، اکبری، لکھنؤ، جولائی اگست ۱۹۸۶ء۔

خلیف نے اپنے دونوں مضامین میں نہایت پرمختر تصحیحات اور احاطے تجویز کیے ہیں جن میں سے بہت سے غالب کے مشہور شاکر دہلوی کے حالات میں ہیں۔ ان کے دونوں تبصرے ان کے مجموعے "غالب، احوال و آئینہ" (لکھنؤ، ۱۹۹۰ء) میں شامل ہیں۔

"ارمغانِ ملک" میں عرشِ طیبانی نے لکھا ہے کہ "طلحۃ غالب" میں غالب کے ۳۰ شاکر دہلوی کی تصویریں ہیں، لیکن "طلحۃ" کی طبع اول کے دیباچے میں صرف ۲۷ تصویروں کے تاخذ کی اطلاع دی ہے۔ ان میں ذکی شخص کے محفل ایک شاعر کی تصویر کا تاخذ بتایا جاتا ہے، جبکہ متن میں ذکی شخص کے دو شاعروں کی تصویریں ہیں۔ دیباچے میں مندرج حکیم محمود الحق، محمود دہلوی کی تصویر کتاب سے غیر حاضر ہے، پرہس میں چھپنے سے رہ گئی ہو گی۔ دوسرے ایڈیشن میں بھی یہ تصویر نہیں، اس ایڈیشن میں سات نئی تصویریں ہیں، اس طرح طبع دوم میں واقعی شخص ۳۳ تصویریں ہیں۔

طبع اول کے دیباچے میں تصویروں کے تاخذ درج کرتے وقت دو ناموں کو غلط لکھ دیا ہے۔ "رنگی، نواب محمد اسماعیل خان باقالبہ میرٹھ (نواب محمد اسحاق خان مرحوم) کے صاحب زادے اور رنگی کے بھتیجے۔"

یہاں رنگی شخص کے آگے کسی القاب کے تحت ان کے بھتیجے کا ذکر کر دیا ہے۔ طبع دوم کے متن میں رنگی کا نام نواب محمد علی خان ہے اور یہ شیخو کے بھتیجے ہیں، یہی کیلیت شوکت کی ہے۔ دیباچے میں ان کا نام یوں لکھا ہے،

"شوکت، جناب میں محمد کرم خان بھوپال (شوکت کے پوتے) بواسطہ

جناب نام سید پوری۔"

طبع دوم کے متن میں ان کا صحیح نام یاد محمد خان دیا ہے، لیکن ان کی تصور غیر حاضر ہے۔ ظاہر ہے، دیباچے میں شوکت شخص کے آگے ان کے پوتے کا نام لکھ دیا ہے۔



معلوم نہیں، اس قسم کا التباس کیونکر ہوا۔ معتف طبع دوم کے دیباچے میں میں تصحیح کرتے ہیں کہ حیدرآباد سے شائع ہونے والی کتاب ”ذکر سلک“ میں سلک کی جو تصویروں دی ہیں، وہ دراصل سراج الدین احمد خان ساحل کے عبد شہاب کی تصویر ہے (طبع دوم، ص ۱۳)۔

اس سوچنے کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر شاگرد کے حالات کے فوراً بعد تہذیب کا اظہار کر دیا ہے۔ کئی ایسے اصحاب ہیں جنہیں بعض لوگوں نے غالب کا شاگرد کہا ہے، لیکن مالک رام اسے نہیں مانتے، اس لیے انہیں اس ہزم میں یاد نہیں دیا، مثلاً باقر علی خان کمال، نظام رام پوری، بخاری لال شلا، سید محمود آزاد وغیرہ۔

کون غالب کا شاگرد ہے اور کون نہیں، بعض صورتوں میں اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے، بڑے بڑے علما دھوکا کھا جاتے ہیں۔ دیباچہ طبع اول میں مالک رام نے اطلاع دی کہ نسخ، خواجہ عبدالرؤف عشرت، حسرت موہانی، معتف ”مشرقِ بنگال“ میں اردو“ نے بعض سینہ شاگردوں کا غلط احساب کیا، دوسری طرف ایک گل دستہ ”ترقی سخن“ بمبئی، شمارہ نومبر ۱۹۱۳ء سے ایک شاعر ڈاکٹر قدا حسین حمید غالب کی ایک غزل درج کرتے ہیں۔ غزل ادبی اور سراسر مصل ہے، کسی نے استعارے کے طور پر لکھ دی ہو گی۔ مالک رام صاحب نے اس شخص کو شاگردوں کی فہرست میں بجا طور پر جگہ نہیں دی۔ حیدرآباد میں عبدالصمد خان نے گل دستوں میں مجھے دو ایک شعرا کا کلام دکھایا جن میں انہیں غالب کا شاگرد لکھ دیا گیا تھا۔ بعض بھول لاسم شاعر خود کو معتبر بنانے کے لیے شاگردی غالب کا دعویٰ کر دیتے تھے۔

رسالہ ”اردو“ غالب نمبر ۱۹۹۹ء میں مضمون نگار کے نام کے بغیر مضمون شائع ہوا ”غالب اور طلحہ غالب سوکرا بشیر میں“۔ چونکہ اس کی قسید کے نیچے مطلق خواجہ کا نام درج ہے، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہی مضمون نگار ہیں۔ انہوں نے کئی شاگردوں کا ذکر کیا جن میں سے بیش تر ”طلحہ غالب“ طبع دوم میں ملتے ہیں، چند نہیں۔ مالک رام نے انہیں معتبر نہیں مانا ہو گا۔ اسی پرچے میں کب علی خان فاضل رام پوری کا مضمون ”کچھ طلحہ غالب کے بارے میں“ ہے۔ انہوں نے

”طلحہ غالب“ طبع اول میں مذکور سیّد محمد سلطان مائل کو غالب کا شاگرد نہیں بلکہ رام نے طبع دوم میں بھی انھیں شامل کیا ہے۔ فائق نے بخاری لال شطہ کو پال سکند بے صبر کے طلحہ غالب کا بھی شاگرد قرار دیا۔ بلکہ رام اس سے بھی حقیق نہیں۔ فائق نے حسب ذیل نئے شاگردوں کا اضافہ کیا۔

افضل علی ابر، محمد ولادر علی مہتاب، نواب محمد حسین علی سلطان نسیم، فشی حور علی حور، حکیم مسیح الزماں مطلوب مراد آبادی۔

بلکہ رام نے ان میں سے صرف نسیم کو طبع دوم میں جگہ دی، وہ بھی کسی دوسرے ماخذ کے حوالے سے، جیسے ماموں میں سے کسی کو شامل نہیں کیا۔ اکثر مضمون نگار نہیں بھی کسی شاعر کو شاگرد غالب گنھا دیکھ کر اس کا نام طلحہ کی فہرست میں داخل کر دیتے ہیں، ان کی دریافت جو ٹھہری۔ بلکہ رام جب تک مطمئن نہیں ہو جاتے، ایمان نہیں لاتے۔ رسالہ ”ارو“ غالب نمبر ۱۹۶۹ء ان کے ماخذ میں ہے۔ اس کے باوجود اگر انھوں نے فائق کے نووریات شعرا کو بزم طلحہ میں یاد نہیں دیا تو اس کی یہی وجہ ہوگی کہ وہ شہادت کو ناگافی سمجھتے ہوں گے۔

نثار احمد فاروقی نے اپنے مجموعے ”طالح غالب“ میں اس کتاب پر تبصرہ کیا ہے۔ اس کی خوبیوں کا بھرپور اعتراف کر کے انھوں نے بعض جزئیات کی اصلاح کی ہے جن میں قابل ذکر یہ ہیں:

الف۔ ”طلحہ“ کی طبع اول میں لکھا تھا کہ فارسی اور عربی میں حالی کا مختصر دیوان موجود ہے۔ نثار صاحب نے واضح کیا کہ ان زبانوں میں حالی کا کچھ کلام ملتا ہے لیکن دیوان نہیں۔ طبع دوم میں بلکہ رام نے وضاحت سے ص ۱۱۰ پر لکھا:

”ارو کے طلحہ عربی اور فارسی میں بھی یکساں دست نگاہ تھی۔ ان زبانوں میں ان کا دیوان مختصر، ضمیمہ اروو کلیات حالی مشتمل بر نظم و نثر فارسی و عربی“ ان کی وفات سے چند ماہ پیش تر ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا تھا۔

(نثار احمد پرکاش، دہلی)

ب۔ قاضی حمایت حسین بدایونی رٹکی کے لیے فاروقی نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کا شخص اٹکی تھا، رٹکی نہیں۔

ج۔ ثار احمد فاروقی نے ایسے ۲۳ شعرا کی فہرست دی جن کے عہد کی کوئی سند نہیں دی گئی جس کی وجہ سے ان کا عہد مشکوک ہے۔ "غلام" کی طبع دوم میں ہر شاعر کے حالات کے بعد نام کا اظہار کر دیا ہے۔

د۔ الکثر ثار سیڈر نے آزاد کو حد کرے میں جگہ نہیں دی گئی، حالانکہ وہ بالیقین غالب کے شاگرد تھے۔

ہمک رام نے طبع دوم کے دیباچے میں دو صفحوں پر بحث کر کے ثابت کیا کہ آزاد غالب کے نہیں، دین العابدین علی عارف کے شاگرد تھے۔ اس سلسلے میں دلیل قاطع آزاد کے ہند بھائی ہنس سیڈر سے فاروقی کا ان ہے جس کے دیباچے میں آزاد کو سربراہ عارف کا شاگرد لکھا ہے۔

و۔ شعرا کے نمونہ غلام سے ثار صاحب نے ایسے ۳۱ مصرعے نقل کیے ہیں جو غیر موزوں ہیں۔ انھوں نے ان سب کی قیاسی تصحیح کی ہے۔ غیر موزونیت کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں، سو کجابت یا جواز قیاسیت مرقب۔ اگر کاجب سے غلطی ہوئی تو جہاں مرقب کو اس کی تصحیح کر دینی چاہیے تھی۔ اگر اصلی نامزد میں مصرع غلط ہے تو قوسین میں "کذا" لکھ دینا چاہیے تھا۔ بصورت موجودہ مہتر یا قاری یہ سوچنے میں حق بجانب ہو گا کہ فاضل مرقب ناموزوں مصرعوں کی شناخت ہی نہ کر سکے۔

ثار صاحب کی چند عروضی تصحیحات کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ قطرے میں بحر کا تمنا

نقشہ ہے عدائی کا بھر میں

(غلام، ص ۷۰)

ثار صاحب پہلے مصرع کی اصلاح کرتے ہیں،

قطرے میں ہے بحر کا تمنا

میں عرض کرتا ہوں کہ

مقلضے میں، بحر کا تماثل<sup>۱</sup> بھی موزوں ہے مقلعون فاعل فعلون کے وزن پر۔

۲۔ مستم فقرہ پر زاہد نے کسے کیونکر نکلیے

ہم فقیروں کو، ہوا فضل خدا پر نکلیے

(اطلاقہ غالب، ص ۱۵۷)

نثار صاحب نے اصلاح کی "مستم فقرہ" یعنی

مستم فقرہ پر زاہد نے کسے کیونکر نکلیے

"فقرہ" یہاں بے معنی ہے نیز مصرع اب بھی غیر موزوں رہا۔ صحیح یوں ہو سکتا ہے۔

مستم فقرہ پر زاہد نے کسے کیونکر نکلیے

ہم فقیروں کو، ہوا فضل خدا پر نکلیے

۳۔

(اطلاقہ غالب، ص ۱۵۷)

نثار صاحب نے اصلاح کی کہ "کیونکر" کی جگہ "کیونکہ" چاہیے، لیکن یہاں

"کیونکہ" کا مقام نہیں، "کیونکہ" چاہیے۔ "کیونکر" کا مختلف "کیونکہ" نہیں، "کیونکہ"

ہوتا ہے۔

۴۔ نایع جلوس کی شہ والا قدر

آمد بلب خود "چراغ دلی"

(اطلاقہ غالب، ص ۱۵۷)

نثار صاحب نے اصلاح کی "بلب خود" کی جگہ "بے لب خود" چاہیے۔ یہ شعر رہائی

کے وزن میں ہے۔ میں نثار صاحب کی اصلاح کو نہیں کچھ سکا، کیونکہ "بلب خود" کو

"بے لب خود" کچھ دہینے سے لفظ اور وزن میں کوئی فرق نہیں پڑتا، دونوں طرح مصرع

غیر موزوں رہتا ہے۔ کلیات صہبائی میری دسترس میں نہیں۔ نہیں کہہ سکتا کہ اصل

مصرع کیا تھا۔ اگر "بلب خود" کی جگہ "بہ زبان خود" ہو تو مصرع موزوں ہو جاتا ہے۔

۵۔ نشاط ! دل سے بچنے کا در کعبہ والے واں بھی

نشانِ یادِ گرم پایا ، پڑا تھا صاف ویرانہ  
(طبعِ نکل، ص ۱۱۱)

نثار صاحب لکھتے ہیں، "صحیح، نشاط ہم نے"۔ انھوں نے یہ توجہ نہیں کی کہ اس اصلاح سے مصرعِ غلط در غلط ہو جائے گا، کیونکہ اس میں "ہم" کی "و" گرے گی جو چائو نہیں۔ "طلّٰۃ غالب"، طبعِ دوم میں اس مصرع کو نثار صاحب کی ترمیم کے مطابق "ع"۔ "نشاط ہم دل سے بچنے کا در کعبہ والے واں بھی" ہی لکھا ہے (ص ۱۱۱)۔ معطوم نہیں بدلا کیا رہا ہو گا۔ "نشاط ! اس دل —" ہو تو موزوں ہو جائے گا۔

۶۔ طے یوں لطف سے کشوں کو پیر سے خانہ

گرے جو بلندِ ساغر سے ، ہے تصویر سے خانہ  
(طبعِ نکل، ص ۱۱۱)

نثار صاحب نے بجا لکھا ہے کہ "ایک لفظ لطف کے بعد چاہیے"۔ "طبعِ دوم" ص ۱۱۱ پر اس مصرع کو مطابق طبعِ اول لکھ کر بعد میں "کذا" لکھ دیا ہے۔ میرے نزدیک قیاسی تصحیح یوں ہو سکتی ہے، "طے یوں لطف (سے) جب سے کشوں سے پیر سے خانہ"۔ لیکن یہ محض قیاسی ہی رہے گی۔

ڈاکٹر نثار احمد قادری نے تیسرے بڑے مفصل مطالعے کے بعد لکھا ہے اور تصحیحات کی نشان دہی بڑے احترام سے کی ہے۔

ایک اور مضمون مغیث الدین فریدی نے "طلّٰۃ غالب (ملک رام) کی ہمدستی لطیفیاں ملکا ہے"۔ یہ "اردو تحقیق اور ملک رام" میں شامل ہے۔ لفظ "ہمدستی" سے غلط فہمی ہوتی ہے کہ شاید اس میں زمانے سے متعلق سنین کی غلطیوں کی نشان دہی کی ہو گی۔ اس مضمون میں دراصل طریقِ قبل کی ہمدست کے آٹھ مصرعوں کی گرفت کی ہے۔ ان میں کچھ انقاط کی ذمے داری "طلّٰۃ غالب" کے متعلقہ آئندہ کے اندراج پر ہے۔ ملک رام نے انھیں حل کر کے نہ دیکھا ہو گا۔ ہم مختلف محرموں میں جگہ جگہ "ہمدست" کے قلعہات دیکھتے ہیں اور بالعموم انھیں صحیح مان لیتے ہیں، سب کا حساب نہیں

لگاتے۔ فریدی صاحب کی نشان زدہ بعض مثالیں ایسی بھی ہیں جن میں ملک رام نے تائید نکالی لیکن حساب میں سو ہو گیا۔ لیکن یہ تو دیکھیے کہ کتاب میں سیکڑوں بار یہی ہیں ان میں سے محض آٹھ فریدی صاحب کو غلط نظر آئیں۔

”طاہذہ غالب“ میں شاہ باقر علی باقر بہادی اور خواجہ میر فرخ الدین حسین خان سخن کو بھی غالب کا شاگرد بتایا ہے۔ سخن نے نہ صرف غالب کو لہذا استاد بلکہ مانا بھی قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے ”محبینہ لاہور“ غالب نمبر حصہ سوم (جولائی ۱۹۶۹ء) میں ایک مضمون لکھا، غالب کے دو جعلی شاگرد اور ایک جعلی شعر جس میں دعویٰ کیا کہ باقر اور سخن غالب کے شاگرد نہیں تھے، مزید بیان سخن پر غالب کی تقریظ دہشتی تھی، غالب کی تخلیق نہ تھی۔ ملک رام صاحب نے ”طاہذہ غالب“ طبع دوم میں ان دونوں شاگردوں کو برقرار رکھا اور خلیق انجم کے اعتراضات کا کوئی ذکر نہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ غالب کے مشہور شاگردوں کے حالات میں یہ مذکورہ مطویات کا ثبوت ہے لیکن اتنے بڑے کام میں غلطیوں کے امکان کو خارج نہیں کیا جاسکتا۔

## حواشی

- (۱) ”حاجتہ گل رحمان اور سفر نگاری“ مشہور ”قابلیات اور ہم“، دہلی، ۱۹۵۳ء، ص ۳۳۔
- (۲) ملک رام، ”ذکر غالب کچھ نئے حالات“، ”انکار“، کراچی، غالب نمبر ۱۹۶۹ء، ص ۳۶ تا ۵۳، نیز ”ذکر غالب“، طبع چہارم، ص ۶۰ تا ۶۹، بحوالہ ابو محمد عمر ایمن، ص ۵۵ جلد ۱۔

- (۳) شاعر احمد فاروقی، ”طاہذہ غالب پر ایک نظر“ مشہور ”طلاش غالب“، دہلی، ۱۹۶۹ء،

## عمیرا باب

## مضامین

ہالک رام نے غالب پر بکثرت مضامین لکھے، پچاس اردو میں اور دو انگریزی میں ملے ہیں۔ ممکن ہے، ان کے علاوہ بھی اور کچھ ہوں۔ ان میں ذیل کے عین مضامین حقیقی ہیں۔

- ۱۔ انسان کی غلامی انیسویں مشورہ "گفتار غالب"
- ۲۔ کلام غالب میں معاشرتی عناصر مشورہ "گفتار غالب"
- ۳۔ غالب اور رقیب "فحوش" لاہور غالب نمبر حصہ اول

فروری ۱۹۳۸ء

ایک مضمون تخلیقی خاکہ ہے جو "میرزا غالب" کے عنوان سے پہلے خلیل اللہ بن احمد کے مرتبہ مجموعے "احوال غالب" میں اور پھر ہالک رام کے مجموعے "وہ صور میں الہی" میں شائع ہوا۔ ان کے علاوہ اردو کے جتنے سب مضامین تخلیقی ہیں۔ میں نے ان میں وہ مضامین شامل نہیں کیے جو غالب کے ممدوحین کے احوال پر مشتمل ہیں اور جن کا موضوع غالب نہیں۔ ہالک رام نے اردو کے جملہ پچاس مضامین میں سے کافی بڑی تعداد کو اپنے مجموعوں میں شامل کر لیا ہے، یہ تفصیل ذیل،

۱	وہ صور میں الہی ۱۹۴۳ء
۱۵	فسانہ غالب ۱۹۴۷ء
۱۳	گفتار غالب ۱۹۸۵ء
۶	تخلیقی مضامین ۱۹۸۷ء
۲۵	غالب سے متعلق نکل

ان کے علاوہ ذیل کے پندرہ مضامین کی شیرازہ بندی نہیں ہوئی۔ وہ مختلف رسالوں یا دوسرے مجموعوں میں نکھرے چکے ہیں۔ ان میں سے دو ایک مضامین مجموعوں میں شامل دوسرے مضامین میں مدغم ہو گئے ہیں۔ یہ فہرست عرشِ مہمانی کے مضمون "نگارِ حیاتِ مالکِ رام" مشمولہ "ارمغانِ ملک" جلد اول کی مدد سے تیار کی ہے۔ عرشِ صاحب نے مضامین کے صحیح عنوان دینے میں احتیاط نہیں برتی۔

- ۳۶۔ غالب کی ایک غیر مطبوعہ تحریر "اولیٰ دنیا"، ستمبر ۱۹۳۹ء  
 ۳۷۔ غالب اور قسبل "اولیٰ دنیا"، مارچ ۱۹۳۰ء  
 ۳۸۔ غالب کی اردو خطوط فولیسی کی تاریخ جامعہ، فروری ۱۹۳۲ء  
 ۳۹۔ مرزا غالب اور امیرِ حنائی "نوائے ادب"، جنوری ۱۹۵۵ء  
 ۴۰۔ بارخِ دو در "آج کل"، مارچ ۱۹۵۵ء  
 ۴۱۔ غالب کا ایک شعر "آج کل"، فروری ۱۹۵۷ء  
 ۴۲۔ غالب کا ایک گم شدہ قصیدہ "شاعر"، سالِ ہمارہ ۱۹۶۰ء (یہ تحقیقی مضامین کے مضمون "غالب کے فارسی قصیدے" میں ضم ہے)  
 ۴۳۔ تمبرۂ دیوانِ غالب نسخہٴ عرشی "نگر و نظر"، علی گڑھ، جنوری ۱۹۶۱ء  
 ۴۴۔ ظلی بابے مضامین "ماہِ نو"، اکتوبر ۱۹۶۳ء  
 ۴۵۔ غالب شامی، جب اور اب "عیارِ غالب"، فروری ۱۹۶۹ء  
 ۴۶۔ غالب اور رقیب "نقوش"، غالب نمبر حصہٴ اول، ۱۹۶۹ء  
 ۴۷۔ غالب اور بچہ پی "مذہبِ مقبول"، جون پور، فروری ۱۹۷۰ء  
 ۴۸۔ غالب کے نزدیک مقامِ انسان مشمولہ بین الاقوامی غالب سیمینار، دہلی ۱۹۷۷ء کا مجموعہ مضامین  
 ۴۹۔ غالب کی نئی رہائی "تحریر"، شمارہ ۱۰۳، ۱۹۷۱ء  
 ۵۰۔ غالب کی ایک اور سر "تحریر"، شمارہ ۱۰۳، ۱۹۷۱ء  
 (یہ "فسانہٴ غالب" کے مضمون "غالب کی سریں" میں ضم ہے)



ان مضامین سے ایک مجموعہ تیار کیا جاسکتا ہے۔ ملک رام نے اپنے مجموعوں میں یہ کوہی کی کہ مضمون کے آخر میں اس کی نقوش دی گئیں کی کہ یہ مضمون سب سے پہلے کہاں شائع ہوا تھا۔ اپنے مضامین کے مجموعے مرتب کرتے وقت مصنفین یہ طریقہ اختیار کر لیں تو اس سے بعد کی تحقیق میں سہولت ہو۔ محال ملک رام کے مضامین کے محض پانچ مجموعے شائع ہوئے ہیں:

۱۔ وہ صور میں النبی ۱۹۷۳ء

۲۔ فسانہ غالب ۱۹۷۷ء

۳۔ اسلامیات ۱۹۷۳ء

۴۔ گفتار غالب ۱۹۸۵ء

۵۔ تحقیقی مضامین ۱۹۸۷ء

ان میں سے غالبیات کے صرف دو مجموعے ہیں "فسانہ غالب" اور "گفتار غالب"۔ وہ صور میں النبی "خاکوں کا مجموعہ ہے۔" تحقیقی مضامین" میں چھ مضامین غالب سے متعلق ہیں اور سات مضامین دوسرے موضوعات پر ہیں۔ "اسلامیات" کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اب میں ان مجموعوں میں سے غالبیات کو لیتا ہوں۔

وہ صور میں النبی (۱۹۷۳ء)

مرزا غالب، یہ عجیب بات ہے کہ ملک رام صاحب کے مضامین کا پہلا مجموعہ نہ غالبیات کا ہے، نہ عام تحقیق سے متعلق بلکہ نو (۹) انشائی خاکوں کا مجموعہ ہے۔ "وہ صور میں النبی" میں ان لوگوں کے خاکے ہیں جن سے ملک رام مل چکے ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلا اور سب سے دل چسپ خاکہ "مرزا غالب" ہے۔ اس مضمون کی تائید یہ ہے۔

یہ سب سے پہلے "علی گڑھ میگزین" غالب نمبر ۱، جلد ۲۲، نمبر ۱۰، ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ دراصل یہ شمارہ ۵۰۔ ۱۹۳۹ء میں آیا۔ اس وقت یہ مضمون ۱۶ صفحات کا تھا۔ نظر مینی اور اسیاقوں کے بعد ۳۷ صفحات میں پھیل کر "اسوال غالب" (۱۹۵۳ء) میں

شائع ہوا۔ عیسوی اور آخری بار ملک رام کے مجموعے " وہ صور میں الٹی " کی بہت الغزل بنا جہاں یہ ۳۳ صفحوں کو محیط ہے۔ اس پر قاضی عبدالودود نے ایک صفحے کا مہرہ لکھا جو پہلے " معاصر " پڑھ ، حصہ ۹ میں شائع ہوا اور بعد میں " اردو تحقیق اور ملک رام " میں۔ اس میں قاضی صاحب نے چار تسامحات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ " وہ صور میں الٹی " میں شامل مضمون میں ملک رام صاحب نے اعتراض کے مقلد کی اصلاح کر لی ہے۔

اس مضمون کو خاکہ کیجیے ، کہ سورج ، کہ انسانیت ، کھایا گیا بہت دل چسپ اور ادبی انداز میں ہے۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں خود کو غالب کا ہم عصر بلکہ ان کا مزین بنا کر پیش کیا ہے۔ وہاں سے میں لکھتے ہیں ،

" آپ کہیں گے — غالب کا اس مجموعے میں شمول کیونکر جائز قرار دیا جا سکتا ہے ؟ تو اب میں آپ کو کیونکر یقین دلائوں کہ غالب سے میری اکثر ملاقات رہی ہے اور میں نے انھیں بھی اتنے ہی قریب سے دیکھا ہے جتنا ان دوسرے بزرگوں کو جن کے حالات آپ اس کتاب میں پائیں گے ، بلکہ جسارت کروں تو کہہ سکتا ہوں کہ دوسروں کی موت کے بعد ان سے ملاقات واقعی منقطع ہو گئی ، غالب سے تو آج تک جاری ہے ، حالانکہ وہ جسمی لحاظ سے ان سب سے کہیں پہلے رہی ملک بنا ہوئے تھے "۔

(مہاراجہ علیچ دوم ، جگاتی ، ۱۹۵۰ء ، ص ۸۰)

ان پر اعتراض کیا گیا کہ خود کو غالب کا ہم عصر اور مزین کیوں قرار دیا۔ واصل یہ محض ایک ادبی رمز ہے۔ کوئی بھی واقف کار اس مطالبے میں جھکا نہیں ہو سکتا کہ ملک رام کے والد غالب کے دوست اور دور کے مزین تھے اور ملک رام غالب کے ہم عصر۔ لیکن سو ڈیڑھ سو سال بعد اس قسم کی تحریر سے غلط فہمی ہو سکتی ہے ، بالخصوص اس صورت میں جبکہ دوسرے معاصرین قرار واقعی بیادیت پر مشتمل ہیں ، اس لیے مضمون کے شروع یا آخر میں یہ حاشیہ لگا دینا چاہیے کہ یہ خیالی الفاظ ہیں۔ اس پر ملا احترام سے رمز کا لطف جاتا رہتا ، لیکن ایک ممکنہ غلط فہمی کا تو سد ہاب ہو جاتا۔ اس

سے قطع نظر یہ مضمون نہ صرف ایک کامیاب افشائی خاکہ ہے بلکہ عمدہ غالب کے تہذیبی ماحول کی بھی بڑی اچھی باز آفرینی کرتا ہے۔ اس کی دل آویزی کی اس سے بڑی داد کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے تبصرے کو قاضی عبدالودود جیسے حقیقت پرست محقق نے ان الفاظ پر ختم کیا،

”اس تحریر کی دل کشی میں کلام نہیں، مگر تحقیقی مضامین کے مجموعے میں افسانے کا شمول موزوں نہیں۔“

مجموعے سے مراد ”حوال غالب“ ہے علی جواد زبیدی کے مرتبہ مجموعے ”ملک رام ایک مطالعہ“ کے وہ مضمون نقادوں نے اس کی دل کشی اور دل آویزی سے۔ شمس الرحمن فاروقی جیسے باخلاق نقاد نے مضمون کے وہ حرف ملاحظہ ہوں۔

”ملک رام کے اس پورے مضمون میں وہی شان ہے جو آندراب مودرا کی ان سوانح عمریوں میں ہے جن میں اس نے بعض انگریزی اور فرانسیسی ادیبوں کے حالاتِ تولد کے طرز پر لکھے ہیں۔ اگر محقق کا یہ بھی منصب ہے (اور بیچنا ہے) کہ وہ جس شخص یا زمانے کے بارے میں لکھ رہا ہے، اس کو ہمارے سامنے زندہ کھڑا کر دے تو یہ مضمون اعلیٰ درجے کا تحقیقی کارنامہ ہے۔“

(سوانح غالب کا ایک پتلور تک رام، مطالعہ، ص ۳۳، ۳۴)

اسلوب احمد انصاری کا مشاہدہ ہے،

”غالب کا جو تحقیقی خاکہ اس مجموعے میں شامل ہے۔ وہ خامی کی چیز ہے۔ اس خاکے میں صیغہ واحد حکم استعمال کر کے یہ التباس قائم کیا گیا ہے گویا لکھنے والا غالب کا ہم عصر ہے، اس طرح یہ خاکہ تحقیقی تکمیل کا ایک منفرد اور نادر نمونہ بن گیا ہے۔ یہ تصویر ہر طرح سے مناسب، موزوں اور دل موہ لینے والی ہے اور اردو مرقع نگاری کی تاریخ میں اپنی ندرت کی وجہ سے ہمیشہ یادگار رہے گی۔“

(ملک رام کی مرقع نگاری، مطالعہ، ص ۱۲۸)

اس مضمون کو لکھنے کے لیے میں نے جو اس خاکے پر نظر ڈالی تو اس نے اس طرح کھینچا کہ پورا خاکہ لفظ بہ لفظ شروع سے آخر تک پڑھ گیا، حالانکہ اس سے پہلے بھی پڑھ چکا تھا۔ مجھے اس خاکے میں چند الفاظ اجنبی معلوم ہوئے۔ ان میں سے کچھ کے بارے میں محسوس کرتا تھا کہ وہ صحیح ہوں گے، بلا تفسیر کی وجہ سے میں ان کے معنی نہیں سمجھتا، لیکن چند الفاظ کے بارے میں کھٹکتا تھا کہ شاید بانک رام صاحب نے اپنے روز مرہ کے لفظ لکھ دیے ہیں جو اردو لول چال کے خلاف ہیں۔ ایسے جملہ الفاظ درج ذیل ہیں۔ ”مٹھے کا حوالہ“ ”احوال غالب“ ”طبع دوم کا ہے کہ فی الوقت“ ”وہ صور میں آئی“ ”میرے سامنے نہیں۔“

ص ۹۹ دئے، ص ۱۰۰ کتا چینی، ص ۱۰۱ لٹم پٹم، ص ۱۰۲ خرے، خرے، ص ۱۰۳ دست گرداں، ص ۱۰۴ غالب فلد، ص ۱۰۵ چرک دھانس، ص ۱۰۸ کھسل۔

میں نے انھیں صفحہ تک ”آصفیہ“ میں تلاش کیا، ”لٹم پٹم“ کے علاوہ سب مل گئے۔ ”لٹم پٹم“ کے ساتھ لکھا تھا کہ تائے ہندی سے بھی ہے بلکہ عوریں ”لٹم پٹم“ ہی بولتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ غالب کی زبان سے ”لٹم پٹم“ کہلاوا بستر ہوتا۔ کتا چینی، کھسل اور غالب فلد کے الفاظ میں نے کبھی نہیں سنے تھے لیکن ”آصفیہ“ میں موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اتنے طویل عربی سے یک دلی میں رہنے کے سبب بانک رام میں اہل زبان کی ادائیں پیدا ہو گئی تھیں۔ اردو خاکہ نگاری میں ان کا یہ انشائیہ ایک غیر معمولی خاکہ ہے جو جمیع، قلمی مرقع، انشائیہ، رپورٹ اور افسانہ، سب کے عناصر بھل میں دبائے ہوئے ہے۔ اپنے خاکوں کی وجہ سے بانک رام ایک اہم تخلیقی ادیب قرار پاتے ہیں۔

فسانہ غالب (۱۹۷۷ء)

”وہ صور میں آئی“ کے بعد ان کا دوسرا مجموعہ مضامین ”فسانہ غالب“ ہے۔ اس کے پندرہ مضامین میں سے بیس تر غالب کی سوانح سے متعلق ہیں انھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ماہر طالبات کے کیا معنی ہیں۔ ان پندرہ مضامین میں سے حمزہ کی

اشاعتِ اول کی تاریخِ عرضِ طبعی کے مضمون " نگارشات ملک رام " سے یوں معلوم ہو سکی۔

۱۔ توقیت غالب نقشبِ اول در " ادبی دنیا " لاہور، جولائی ۱۹۳۲ء

نقشبِ ثانی در " عیار غالب " مرتبہ ملک رام ۱۹۳۹ء  
ماخذ ماعطوم

۲۔ تاریخِ ولادت

۳۔ ایک فارسی خط کی تاریخ صوبہ رس " حیدرآباد، ستمبر ۱۹۵۹ء

۴۔ میرزا یوسف " نوائے ادب "، اپریل ۱۹۵۹ء

۵۔ عبدالصمد، استاد غالب " نوائے ادب "، جنوری ۱۹۵۳ء

۶۔ غالب کی سرس " ادبی دنیا "، اپریل ۱۹۳۱ء

۷۔ نواب شمس الدین خاں " آج کل "، فروری ۱۹۵۶ء

۸۔ مقدمہٴ بخش کا عرضی و دعویٰ " آج کل "، فروری ۱۹۳۷ء میں بعنوان  
" تذکرہ غالب "

۹۔ قسبل پنجابی الاصل تھا " نگار، جولائی ۱۹۳۶ء، بعنوان " قسبل کا وطن "

۱۰۔ ایک معاصر اندراج ماخذ ماعطوم

۱۱۔ سکے کا الزام اور اس کی حقیقت " معارف "، فروری ۱۹۵۹ء

۱۲۔ غالب سے غصوب دوسرا سکے " معارف "، اگست ۱۹۵۹ء

۱۳۔ دربارِ رام پور سے تعلقات " اردو "، جولائی ۱۹۵۳ء، بعنوان " غالب پور

در بارِ رام پور "

۱۴۔ غالب سوسائٹی " آج کل "، مارچ ۱۹۵۸ء

۱۵۔ آزاد بنام غالب " ماہ نو "، کراچی، فروری ۱۹۳۳ء

ظاہر ہے، قسبل کا مضمون غالب سے براہِ راست متعلق نہیں، لیکن وہ غالب کی زندگی کا ایک جزوِ لاینفک بن گیا ہے۔ غالب اسے فرید آباد کا کھتری بچہ سمجھتے تھے۔ ملک رام نے غالب کی تصحیح کر کے قسبل کا صحیح وطن معلوم کیا، اس لیے " نوائے ادب " میں اس مضمون کے شمول کا جواز ہے۔ قسبل میں تین تر متعین پر

اپنے مشاہدات پیش کرتا ہوں۔ ایسا کرتے وقت کالی داس گپتا رضا کا مضمون 'فسانہ غالب' پیش نظر رکھوں گا جو "ملک رام" ایک مطالعہ" میں شامل ہے۔

پہلا مضمون 'توقیت غالب' ہے۔ اس میں غالب کی زندگی کے واقعات اور تصانیف کی اہم اور مستند تاریخیں دی ہیں جن میں غالب کے اظہار اور بعض اہم معاصرین کی مدحیں بھی آگئی ہیں۔ کالی داس گپتا نے بھی اپنی کتاب "دیوان غالب برہنہ کی ترتیب سے" (۱۹۸۸ء) میں 'توقیت غالب' دی ہے جو نقش ثانی ہونے کی وجہ سے ملک رام کے مضمون سے زیادہ مفصل ہے۔ کالی داس گپتا نے 'فسانہ غالب' پر اپنے مضمون میں ملک رام کی توقیت میں حسب ذیل تصحیحات کی ہیں: خواجہ حاجی کا انتقال سو کتابت سے ۱۸۲۵ء ہجری میں دکھایا ہے، بیسوی ہونا چاہیے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سد کے آگے قوسین میں سولہ نشان (۹) دیا ہے۔ سیاح کی مطائیب ٹھیکہ کی تاریخ ۱۸۶۵ء لکھی ہے، ۱۸۶۳ء صحیح ہے۔ غالب کی تصانیف میں صوطے صبا کی ذکر چھوٹ گیا ہے۔ ایک اضافہ میں کرتا ہوں، مئی جون ۱۸۶۳ء میں جو اندراج ہے "دلچان فارسی (کلیات نظم فارسی) کا دوسرا ایڈیشن"۔ چونکہ اس میں دلچان فارسی سے کالی زیادہ کلام ہے اور کتاب کا نام "کلیات غالب" ہے، اس لیے اسے دلچان فارسی کا دوسرا ایڈیشن نہیں کہا جاسکتا۔

دوسرے مضمون 'تاریخ ولادت' ہے۔ بہتر ہونا کہ عنوان 'غالب کی تاریخ ولادت' ہونا۔ کلیات غالب فارسی (طبع اول ۱۸۶۳ء، نول کشور پریس) میں ایک حقیقی قصیدے کے ساتھ غالب کا زائچہ درج ہے جس میں ان کی تاریخ ولادت یک شنبہ، ہشتم رجب ۱۲۱۳ مطابق آٹھ ۱۷۹۸ء درج ہے۔ اس میں ۱۲۱۳ء سو کتابت ہے۔ مولانا عرشی نے "ماہ نو" جنوری فروری ۱۹۶۹ء میں اطلاع دی کہ اس کی ایک قدیم تر شکل کلیات کے قلمی نسخے (مرتبہ ۱۲۱۳/۱۸۶۳ء، محکومہ رام پور) میں ہے جہاں ۱۲۱۲ء میں لکھا ہے۔ غالب نے متعدد مقالات پر اپنی تاریخ ولادت ۸ رجب ۱۲۱۲ء لکھی ہے، لیکن وقت یہ ہے کہ اس دن یک شنبہ نہیں، چار شنبہ تھا اور یہ ہجری تاریخ آٹھ ۱۷۹۸ء بیسوی میں نہیں اواخر ۱۷۹۷ء میں پڑتی ہے۔

یوم و تاریخ کی مطابقت کے لیے عرشی صاحب نے " آج کل " جولائی ۱۹۷۹ء میں دعویٰ کیا کہ صحیح پیدائش ۸ رجب ۱۲۳۳ھ نہیں بلکہ ۱۸ رجب ۱۲۳۳ھ ہے۔ اس تاریخ کو یک شنبہ بھی تھا اور آٹھ ۱۷۹۸ء بھی۔ ملک رام صاحب نے انکشاف کیا کہ غالب نے کم از کم دو جگہ الفاظ میں اپنی تاریخ انھوں رجب لکھی ہے۔ اگر تحقیق میں اس طرح قیاسات کیے جائیں تو آمن ہی اٹھ جائے گا (" فتاویٰ غالب "، ص ۱۶)۔

انھوں نے نجوم سے متعلق دو مضامین کا بھی ذکر کیا۔ پہلا مضمون مسلم ضیائی کا اور دوسرا محمد حسین رضوی کا ہے۔ میں نے ان دونوں مضامین کا مطالعہ کیا۔ مسلم ضیائی کا مضمون " غالب کا زائچہ اور تاریخ ولادت "، " اردو نامہ "، کراچی، شمارہ ۲۷، مارچ ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔ انھوں نے قیوم دیکھ کر ۸ رجب ۱۲۳۳ھ کے حق میں فیصلہ کیا کہ اس دن یک شنبہ تھا۔ وہ خود نجوم سے واقف نہیں، اس لیے انھوں نے پاکستان کے مشہور نجومی سید ناصر حسن شاہ زبجانی سے رجوع کیا۔ زبجانی نے علم الجفر کی نڈ سے فیصلہ کیا کہ غالب کی صحیح پیدائش ۸ رجب ۱۲۳۳ھ بروز یک شنبہ، صبح ۵ بج کر ۵۳ منٹ اور ۵۵ سیکنڈ ہے (" اردو نامہ "، ص ۱۷)۔ کراچی کے محمد حسین رضوی خود ماہر نجوم ہیں۔ ان کا ۲۵ صفحوں کا مضمون " غالب کی صحیح تاریخ ولادت " " عیار غالب "، ۱۹۷۹ء، مز " اردو "، کراچی، غالب نمبر حصہ اول، ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔ یہ بہت اصطلاحی مضمون ہے۔ انھوں نے ۸ رجب ۱۲۳۳ھ م ۸ جنوری ۱۷۹۷ء بروز یک شنبہ، صبح ۵ بج کر ۳۶ منٹ کا حکم لگایا (" عیار غالب "، ص ۱۳۳، ۱۵۰، ۱۵۱)۔ انجمن ترقی اردو ہند کی قیوم جہی و جہوی، ایڈورڈ ہائر کی جرمن قیوم سے مانوڑ ہے۔ رضوی نے اس کے بارے میں ایک خط لکھی کا مفید ازالہ کیا۔ اس قیوم میں عام طور پر سلسلہ دار ایک قمری مینا ۳۰ اور دوسرا ۲۹ دن کا فرض کر لیا گیا ہے، لیکن جیسا کہ زیچ النجلیک میں ثابت کیا گیا ہے، حقیقی روایت بلال کے مطابق کبھی دو سے لے کر پانچ مہینے تک متواتر نہیں ہیں دن کے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح کبھی کبھی دو مہینے متواتر ۲۹ دن کے ہو سکتے ہیں، اس لیے ہائر اور انجمن کی قیوم کے مطابق معلوم کی ہوئی تاریخ میں ایک دو اور کبھی مین دن تک کا فرق پڑ سکتا ہے۔ اس لیے جو حضرات کسی حقیقی کام کے لیے

اس تقویم کو حرف آخر کچھ لیتے ہیں، وہ بہت بڑی غلطی کرتے ہیں (اس جملہ اس موضوع پر حرف آخر ڈاکٹر خلیف احمد نقوی کا بہت طویل، بہت بلاشبہاب اور بہت مدلل مضمون، غالب کا سہل ولادت، ہے جو پہلے "غالب نامہ" دہلی جنوری ۱۹۸۵ء میں اور پھر ان کے مجموعے "غالب، احوال و آثار" (لکھنؤ، ۱۹۹۰ء) میں شائع ہوا۔ اسے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق کسے کیجئے ہیں۔ انھوں نے مختلف سنہین کے بارے میں موافق و مخالف، جملہ بیانات کا تجزیہ کر کے طے کیا کہ غالب ۸ رجب ۱۲۳۰ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کی دانستہ غلط بیانی کی محرک مقدمہ پنشن کی ضروریات تھیں (احوال و آثار، ص ۵۰)۔

میرزا مضمون ایک فارسی خط سے متعلق ہے جس میں میرزا کا بہت ۱۸۴۳ء دی ہے۔ خط کیا ہے، ایک طرح کی دستخط ہے جو قرض وغیرہ سے متعلق ہے اور جس میں اپنی والدہ کی شدید بیماری کا ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے ۱۸۴۳ء میں، یعنی پندرہ سات سال کی عمر میں غالب یہ فارسی دستخط نہیں لکھ سکتے تھے۔ حالت کا جائزہ لے کر ملک رام صاحب نے طے کیا کہ یہ دراصل ۱۸۳۰ء ہے، ۱۸۴۳ء نہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی والدہ اس وقت تک زندہ تھیں۔ چونکہ یہ قہر شخص ایک قیاس ہے، اس لیے میں اسے قطعی طور پر نہیں مان سکتا، ممکنہ ہی کے ذمے میں رکھوں گا۔

چوتھا مضمون "میرزا یوسف" ان کے بھائی کے بارے میں ہے۔ اس کے لیے انھوں نے قوی آدکانوز میں دو مسئلے تلاش کر کے مرزا یوسف کی بیوہ کا نام، ان کی درخواست و ظیفہ اور اس پر مختلف عمدے داروں کی کارگزاری کی تفصیلات معلوم کیں۔ موصوفہ "میں غالب نے لکھا ہے کہ مرزا یوسف بھارے مرے، لیکن ملک رام نے تحقیق کر کے ثابت کیا کہ وہ دورانِ حشر گھر سے نکلنے پر انگریز سپاہیوں کی گولی کا نشانہ بنے۔

پانچواں مضمون "عبدالصمد، استاد غالب" ہے۔ قاضی عبدالودود نے "علی گڑھ میگزین" ۳۹، ۱۹۳۸ء میں ایک مضمون "غالب کا ایک قرنی استاد" لکھا جس میں عبدالصمد کے وجود خارجی سے انکار کیا۔ ملک رام نے "نوائے ادب" جنوری ۱۹۵۲ء



میں اپنے مضمون "عبدالصمد، استادِ غالب" میں نہ صرف عبدالصمد کی ہستی پر اصرار کیا بلکہ قاضی عبدالودود کے دلائل کا جواب بھی دیا۔ قاضی صاحب نے "احوالِ غالب" میں شامل کرنے کے لیے اپنے مضمون میں اتنی ترمیم کی کہ قبولِ مرقبہ "احوالِ غالب"۔ "قاضی عبدالودود صاحب نے عبدالصمد پر گویا نئے سرے سے دوسرا مضمون ہی لکھ ڈالا ہے"۔ انھوں نے اس بار مضمون کا عنوان "ہر مزد ثم عبدالصمد" کر دیا۔ مضمون کے آخر میں ایک طویل اسدِ راک لکھ کر ملک رام صاحب کے دلائل کا جواب الجواب دیا۔ اس میں انھوں نے یہ جملہ بھی لکھ دیا،

"اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ یہ بھی لکھ دیتے کہ حالی و شیخو نے عبدالصمد سے ملاقات بھی کی تھی تو میں ان کا کچھ بگاڑ نہ سکتا۔"

(احوالِ غالب، طبع دوم، ۲۵، ۲۶)

ملک رام صاحب نے "فسانہِ غالب" میں اپنا مضمون شامل کرتے وقت اس پر نظر ثانی کی، چنانچہ وہاں قاضی صاحب مندرجہ بالا ریمارک نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں،

"مجھے واقعی سخت حیرت ہے کہ انھوں نے ایک سنجیدہ گفتگو میں یہ بے اختیار کیا۔"

(فسانہِ غالب، ص ۱۷۱)

ملک رام نے قاضی صاحب کی اس درشت کلامی پر تو اچھرج کیا لیکن اس سے بھی زیادہ سخت حملے کو نظر انداز کر دیا۔ قاضی صاحب نے "احوالِ غالب" میں اسدِ راک کے بعد تصحیح و اصلاح لکھا ہے اور پھر حواشی میں بھی ترمیم کی ہے۔ حاشیہ ۱۹ کے بارے میں اصلاح کرتے ہیں،

"ما محکمہ مصنف بالارادہ الہی باعین بڑھا دیا کرتے ہیں جن کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہوتا۔ اس کی ایک مثال جناب ملک رام کی یہ عبارت ہے جو "ذکرِ غالب" (اجامت ۲)، صفحہ ۲۵ میں ہے،

"عبدالصمد اسلام قبول کرنے سے پہلے زروہنی مذہب کے موہد (کذا) تھے"۔ (ص ۲۸)

اس میں انھوں نے ملک رام پر کئی الزامات لگائے ہیں،

۱۔ وہ نامحکم معصیت ہیں۔

۲۔ بالارادہ ایسی باتیں اضافہ کر دیتے ہیں جن کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہوتا۔

۳۔ ایسی ایک مثال عبدالصمد کو پارسیوں کا موبد گھنا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔

۴۔ وہ موبد کا صحیح لفظ نہیں جانتے، چنانچہ اس لفظ کو فتح اول سے گھنا ہے۔

واضح ہو کہ "ذکر غالب" طبع ختم میں یہ جملہ اس طرح ملتا ہے،

"اسلام قبول کرنے سے قبل وہ زردشتی مذہب کے پیرو تھے"۔ (ص ۱۳۵، ۱۳۶)

اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ "فسادہ غالب" کی ترسیب سے پہلے قاضی صاحب کے اعتراض کو دیکھ چکے تھے جس کے تحت انھوں نے موبد کو بدل کر پیرو کر دیا، لیکن "فسادہ غالب" کے مضمون میں قاضی صاحب کی گرفت کو پی گئے۔ میرے استفسار پر کالی داس گپتا راجا نے "قاضی برہان" دیکھ کر مجھے گھنا کہ غالب نے نہیں عبدالصمد کو موبد نہیں گھنا، انکتوب موزور ۹ ستمبر ۱۹۹۳ء اس کے معنی یہ ملک رام کا اضافہ تھا۔ موبد کو فتح اولیٰ سے انھوں نے گھنا تھا یا کاب نے، کما نہیں جاسکتا "غیاث اللغات" میں اس لفظ کا لفظ ضم اول و واو معروف سے ہے، لیکن یہ بھی گھنا ہے کہ موبد و سرودی و جہانگیری میں یہ فتح اول ہے۔ میرے استفسار پر کالی داس گپتا راجا نے مجھے گھنا،

"فرہنگ معین، قاضی صاحب کے نزدیک نامحکم، معتبر ترین لغت تھا۔

اس میں موبد اور موبد دونوں ہیں مگر موبد کو ترجیح معطوم ہوتی ہے۔ اس

نے انگریزی میں یوں گھنا ہے، mubad-mu دونوں کا ذکر کر کے موبد کو

ترجیح دیکھی ہے۔"

(انکتوب موزور ۱۱ اگست ۱۹۹۳ء)

یہ دھیمان دینے کے قابل ہے کہ قاضی صاحب کی نازیبا تصریحات کے مقابلے میں ملک رام کا لہو ہر جگہ نہ احترام رہا ہے۔ وہ انھیں قاضی صاحب محترم، جناب قاضی صاحب، جناب قاضی صاحب قبلہ کہتے ہیں۔ کاش قاضی صاحب نحر و نحر میں

آداب شرافت کی طرف بھی کچھ توجہ کرتے :

میں نے زیرِ نظر مضمون لکھتے وقت ایک بار پھر قاضی صاحب کا مضمون پڑھا اور ان کے دلائل کو ملتے پر مائل ہوا۔ پھر ملک رام صاحب کا مضمون پڑھا۔ انھوں نے قاضی صاحب کے اعتراضات کی جس قانونی انداز میں تردید کی ہے، ان سے محاذ ہوتے بغیر نہ رہ سکا۔ ملک رام نے حالی کے اس جملے کو اپنی دلیل قاطع قرار دیا ہے جس میں سب کچھ گھسنے کے بعد یہ فیصلہ درج کیا :

”عبدالصمد فی الواقع ایک پارسی نژاد آدمی تھا اور مرزا نے اس سے کم و بیش فارسی سیکھی تھی۔“

(۱) یادگار غالب، ”غالب الشیخ پور ایڈیشن ۱۹۵۸ء، ص ۱۷۱

دوسری دلیل حقیقت کی یہ شہادت ہے کہ ملا عبدالصمد نے غالب کو خط لکھا تھا۔ دوسری دلیل ”فساد غالب“ میں نہیں دی، ”ذکر غالب“ میں ہے۔  
نواب علی گھٹے ہیں،

”عبدالصمد باہر تھا۔ ذخائر کے لیے آگرے کو اس نے امید لگا دیا تھا۔“ (۱)

(۱) ”ملا رام پور، اردو ج ۱۹۵۸ء، نوٹ۔“ ذکر غالب، ”طبع، ج ۱، ص ۱۷۱

حالی و شیخ غیر ثقہ راوی نہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں،

”ملا عبدالصمد (بہر خورہ) استاد غالب، غیر معمولی علم و استعداد کا شخص تھا۔“

— عبدالصمد پر سنسکرت اور قدیم فارسی کے باہمی رشتے کا راز کھل چکا تھا۔

اوم پرکاش، بجراج بتاتے ہیں کہ مولانا حالی، مولانا عمر اور شیخ اکرام، ملا عبدالصمد کے وجود کے قائل ہیں جبکہ قاضی عبدالودود اور مولانا عرشی مائل نہیں۔

مولانا عرشی نے نسخہ عرشی کے مقدمے میں عبدالصمد کی شخصیت کو سراسر افسانہ قرار

دیا ہے (طبع اول ۱۹۵۸ء، ص ۷۱)۔ ”ملک رام، ایک مطالعہ“ کے دو مضمون نگار

ملک رام کے مؤقف اور عبدالصمد کے وجود کو ملتے پر مائل ہیں۔ شمس اگرچہ نوجوان فاروقی

نے اپنے مضمون میں اس موضوع کو ساڑھے آٹھ صفحے دیے ہیں، جن کا آخری جملہ یہ ہے :

ہے:

”مجموعی طور پر ان (مالک رام) کا فیصلہ اس وقت تک کی مطبوعات اور فکر

کی روشنی میں صحیح ہے۔“ (ص ۳۱)

اگر فاروقی کو محض نقد کہہ کر ان کی رائے کو کم اہمیت دی جائے تو کالی داس گپتا رضا جیسے سرآمد ماہرین قابلیت کی یہ رائے دیکھیے:

”میری رائے میں حالی کے مندرجہ بالا بیان اور شیئہ کے حوالے سے دیے

ہونے والی خط (ملا عبدالصمد بنام غالب) کو محض کذب کی تائید کہہ کر

نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں کوئی پچائی ضرور ہے۔“ (مطالعہ ص ۳۶)

واضح ہو کہ کالی داس گپتا، قاضی عبدالودود اور مالک رام دونوں کے معتقد علیہ ہیں۔ میں حالی اور مالک رام کے موقف سے اتفاق کرتا ہوں۔

انکا مضمون ’ غالب کی سریریں ‘ ہے۔ یہ اصلاً ’ ادبی دنیا ‘ اپریل ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔ اس میں عربی کے شعر والی ایک سرکہ بھی ان سے منسوب کیا تھا۔ اس کے بعد رسالہ ’ تحریک ‘ جلد ۵، شمارہ ۱۹۹ء میں ایک مضمون ’ غالب کی چھٹی سر ‘ لکھا جس میں تصحیح کی کہ عربی کے شعر والی سرکہ کسی حکیم صاحب کی ہے۔ اس سرکہ خارج کر کے ایک نئی سرکہ تعارف کرایا۔ ’ فسانہ غالب ‘ کے مضمون میں ’ تحریک ‘ کے اس مختصر مضمون کو ضم کر لیا ہے۔ مضمون کا سب سے قابل قدر پہلو ان سرکہوں کا نفسیاتی مطالعہ ہے۔

ساتواں مضمون نواب شمس الدین احمد خان کے بارے میں ہے۔ اس میں نواب سے متعلق پیش ہوا تفصیلات جمع کر دی ہیں۔ اس کے تاجز میں ’ مرقع النور ‘ اور ’ کارنامہ سرودی ‘ جیسی غیر معروف کتابوں کے علاوہ قوی گڑکانوڑ کے متعدد مراسلات شامل ہیں۔ اس طرح اس مضمون میں فریڈ سے متعلق چھٹی مستند اور مفصل مطبوعات جمع کر دی گئی ہیں، اتنی خود ان کی کتاب ’ ذکر غالب ‘ میں بھی نہیں۔

آٹھواں مضمون ’ مقدمہ پنشن کا عرضی دعویٰ ‘ ہے۔ ’ آج کل ‘ فروری ۱۹۴۳ء

میں اسی موضوع پر ان کا مضمون "ذکر غالب" شائع ہوا تھا، غالباً ہی مضمون تھا۔ ابھی تک ملک رام یا کسی کو بھی غالب کی پہلی درخواست یعنی عرضی دعویٰ دست یاب نہیں ہوا تھا۔ ملک رام لندن گئے تو انڈیا آفس لائبریری میں غالب سے متعلق تمام کاغذات ٹھکرائے۔ انھیں میں غالب کے عرضی دعویٰ کی طویل روداد مل گئی، اس میں ۲۰ صفحات ہیں۔ اس درخواست کے اہم تر مطلب "ذکر غالب" میں شامل کر لیے گئے ہیں جن سے غالب کی لوجوانی کے بہت سے واقعات معلوم ہوتے ہیں۔

نواس مضمون "قبیل پنجابی الاصل تھا" کے عنوان سے ہے۔ اصلاً یہ "فکر" جولائی ۱۹۳۲ء میں "قبیل کا وطن" کے نام سے شائع ہوا۔ ملک رام نے قطعی طور پر معلوم کیا کہ قبیل پنجب کے شہر بنالہ کے ایک خاندان سے تعلق رکھتا تھا، فرید آباد سے نہیں۔ مختلف مقامات پر جستجو کر کے ملک رام نے جس طرح قبیل کے شجرے اور اعتراضات نشان دی کی ہے، وہ قابلِ داد ہے۔ انھوں نے قبیل کا صحیح نام دیوانی سنگھ بھٹنڈاری بھی معلوم کیا۔

دسویں مضمون "ایک محاصرہ اندراج" ہے جس میں آغا جوش شرف کی شہنی مشکوہ فرنگ کے مخطوطہ لندن میں سے غالب کے متعلق اشعار درج کیے اور دو دعوے کیے۔

۱۔ یہ غالب سے متعلق غیر مطبوعہ اندراج ہے۔

۲۔ غالب کے بارے میں محاصرہ کھنوی اہل قلم کی تحریروں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس سے پہلے صرف خواجہ حزیں کھنوی کی میرزا سے مختصر ملاقات کا ذکر لکھا ہے (قسط ۱۴)۔

سیرے سامنے "نسبہ غالب" کی اپنی جلد کے علاوہ کالم علی خاں کی ذاتی جلد بھی ہے۔ انھوں نے اپنی جلد کے آخر میں نوٹ لکھا ہے کہ "نسبہ غالب" سے پہلے "مشکوہ فرنگ" پاکستان میں دوبارہ شائع ہو چکی ہے، اس لیے اسے غیر مطبوعہ اندراج نہیں کہہ سکتے۔ دوسرے یہ کہ محاصرہ کھنوی مصنفین کی غالب سے متعلق کئی تحریروں ملتی ہیں، مثلاً "مذکرہ خواجہ معرکہ زہا" مؤلفہ سعادت خاں جاسر، محسن کا تذکرہ

”سرایا کتن“، ”بزر“ اور ”اختیار“ جس کے متعدد شماروں میں غالب یا ان کے ادبی آثار کا ذکر موجود ہے۔

مگیر حواس مضمون، سکے کا الزام اور اس کی حقیقت ہے۔ ایک خبر گوئی ہنکر نے غالب پر الزام لگایا تھا کہ انھوں نے ۱۸ جولائی ۱۸۵۷ء کو سکے کا یہ شعر کہا:

بزر زد سکے کشور حلی

سراج الدین بہادر شاہ ثانی

غالب جانتے تھے کہ یہ ان کا شعر نہیں ہے۔ وہ دنیا بھر سے دو مانگتے رہے کہ اخباروں کو کھنکال کر اس کے خالق کا نام معلوم کر دیں، کوئی نہ بتا سکا۔ غالب کی زندگی کے بہت بعد حسن الہق سے ملک رام صاحب نے قوی دفتر خانہ ہند دہلی میں ”صادق الاخبار“ میں اس شعر کو کھوج نکالا۔ یہ حافظ دیران کا شعر ہے۔ ملک رام کی یہ دریافت اسی نوعیت کی ہے جیسے لندن سے عرضی دعویٰ کی درخواست وصول ہوئی تھی۔

انکا مضمون ”غالب سے غصوب دوسرا سکے“ ہے۔ اس میں ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے ایک اور شعر، ”بزر ڈاکٹر خلیق انجم نے اس سے مختلف شعر لکھ کر دعویٰ کیا کہ غالب پر دو سکے لکھنے کا الزام تھا۔ ملک رام نے تصحیح کی کہ محض ایک ہی سکے کا الزام تھا، دو کا نہیں۔ اس سلسلے میں ایک قول کے سلسلے میں خلیق صاحب نے لکھا تھا:

”غالب ایسے معاملوں میں مستحق دد بخ گونی سے کام لیتے ہیں۔“

(غالب اور خلیق جوبہ، ص ۱۰۰)

آج کل ”جھوٹ بولنے کا الزام“ ہمارے پارلیمنٹ کے آداب کے خلاف ہے (unparliamentary word)۔ ملک رام لہنہ میرو پر اس الزام کو برداشت نہ کر سکے پھر گئے۔ عقلمن کرتے ہیں:

مورشت کلائی اور سخت زبانی اور استعزا نہ دلیل و محبت کی جگہ لے سکتے ہیں نہ اسے قہریت پہنچا سکتے ہیں۔ ہماری غالب کے خلاف ہی تو شکایت ہے کہ انھوں نے مختلف بہانے طالع کے لیے تمسخر اور توہین کا لہجہ اختیار کیا۔ (ص ۳۳)

چونکہ ملک رام خود ورثت کلاسی، سخت ذہنی اور استرا کا شکار رہے ہیں، اس لیے وہ شاید بالواسطہ اپنے معترضین کو خطاب کر رہے ہیں۔ کاش ادبی بحثیں کرنے والے محقق اور نقاد اس بزرگانہ فصاحت کو حُر ذہان بنالیں، لیکن غالب کو دہریہ گو کہنے والے صرف خلیق انجم ہی نہیں۔ ڈاکٹر حنیف احمد نقوی کے یہ مشاہدات باعث دل چسپی ہو سکتے ہیں۔

” (غالب) صادق القول ہرگز نہیں تھے اور مصیبت کے حدود سے آگے بڑھ کر صرف بطور تفریح جھوٹ بولنے میں بھی مطلق ذہل نہیں کرتے تھے۔ یہ تسلیم کر لینے سے بھی کہ جھوٹ بولنا ان کی عادت میں داخل تھا، فن کی قدر و منزلت چٹنا متاثر نہ ہوگی۔ غالب کا حافظہ انتہائی کمزور اور ناقابل اعتبار تھا۔ انھیں مطلق یہ یاد نہ رہتا تھا کہ کسی خاص معاملے میں کچھ دنوں پہلے کسی شخص کو کیا لکھ چکے ہیں اور آج کسی دوسرے شخص کو کیا لکھ رہے ہیں، یا کل کسی شخص کو کسی سلسلے میں کیا لکھا تھا اور آج کیا لکھ کر رہے ہیں۔“

(غالب، اجمل و احمد، ص ۱۳)

میر حواں مضمون، ”دربار رام پور سے تعلقات“ ایک بھرپور مطبوعاتی مضمون ہے۔ اس کا زیادہ تر مواد مولانا عرشی کی ”مکاتیب غالب“ سے ماخوذ ہے۔ چودھواں مضمون، ”غالب سوسائٹی“ غالب کی سوانح سے متعلق نہیں۔ اس میں غالب کے انتقال کے بعد فن کی یادگاریں قائم کرنے کی ہمیر ہے جن میں ۱۹۵۵ء میں قائم شدہ غالب سوسائٹی کی روداد دی ہے۔ آخری مضمون، ”آزاد بنام غالب“ میں ”آب حیات“ میں غالب پر کیے گئے بعض اعتراضات کا ذکر اور ان کی صفائی دی ہے۔ اس مجموعے کے چار پانچ مضامین کو چھوڑ کر جبہ سب غالب کی داستان حیات کے بارے میں مفید معلومات ہم پہنچاتے ہیں۔ غرض یہ کہ یہ کتاب ”ذکر غالب“ کا حق ہے بعض امور جو ”ذکر غالب“ میں نکل ہیں، یہاں مفضل ہیں۔

## گفتارِ غالب (۱۹۸۵ء)

غالبیت پر مضامین کا دوسرا مجموعہ "گفتارِ غالب" ہے۔ اس میں مصنف کے مقدمے پر بھی اگست ۱۹۸۵ء کی تاریخ پڑی ہے اور ناشر مکتبہ جامعہ نے بھی اشاعت کی تاریخ ہی درج کی ہے۔ بانک رام صاحب نے مجھے یہ مجموعہ ۲ فروری ۱۹۸۶ء کو بھیجا جس سے میں قیاس کرتا ہوں کہ اس کی واقعی اشاعت اوائل ۱۹۸۶ء میں ہوئی۔ "گفتارِ غالب" ایک اہم دیباچے اور تیرہ مضامین پر مشتمل ہے۔ ان کی فہرست اور اولین اشاعت کی تفصیل یہ ہے:

"عیارِ غالب" ۱۹۶۹ء میں بعنوان "غالب بھائی

پیش گفتار

جب اور لب"

اولین اشاعت نامعلوم

۱۔ میر اور غالب

میں الاقوامی غالب سیمینار ۱۹۷۰ء میں بعنوان

۲۔ انسان کی خلافت النبی

"غالب کے نزدیک مقام انسان"

۳۔ کلامِ غالب میں معاشرتی عناصر "نذر تمیذ" ۱۹۸۱ء

"نگار" ستمبر ۱۹۷۶ء میں بعنوان "غالب اور فوق"

۴۔ فوق اور غالب

مینڈر ڈاکٹر" ۱۹۶۸ء میں بعنوان "گلِ رعنا"

۵۔ گلِ رعنا (سہرۂ اردو)

(غالب کا گم شدہ انتخاب کلام)

"نگار" ۱ جولائی ۱۹۶۰ء

۶۔ گلِ رعنا (سہرۂ فارسی)

اولین اشاعت نامعلوم

۷۔ دیوانِ اردو کی کثافت

اولین اشاعت نامعلوم

۸۔ چراغِ دیر

"نگار" ۱ جولائی ۱۹۶۰ء

۹۔ غالب کی فارسی تصانیف

ارمغانِ الفت دہلی ۱۹۶۳ء میں جو خواجہ غلام السیدین

۱۰۔ دعاے صباح

کو پیش کیا گیا۔ وہاں بعنوان "دعاۃ الصبح"



- ۱۱۔ سوالات عبدالکریم " کج کل " فروری ۱۹۵۵ء  
 ۱۲۔ احسان، غالب، ذکا " تحریک " شماره ۳ (جلد ۲، شماره ۳)  
 ۱۳۔ غالب اور خاتر اولین اشاعت نامعلوم

اس طرح چار مضامین کے بارے میں علم نہیں کہ وہ پہلے کہیں شائع ہوئے کہ نہیں۔ سب سے عجیب معاملہ " میٹری گفٹار " کا ہے۔ " حیار غالب " میں ان کا مضمون " غالب شہسای، جب اور اب " شامل ہے۔ اسی مضمون کو " گفٹار غالب " کا ویساچہ بہنوں میٹری گفٹار " بنا لیا گیا ہے۔ " حیار غالب " کے مضمون کے آغاز میں دو صفحوں میں غالب کے اشعار تھے، انھیں حذف کر کے زیر نظر مجموعے میں دو مزید نثری صفحے لکھ دیے ہیں۔

اس پُر مغز میٹری گفٹار میں انھوں نے یہ غلط فہمی دور کی ہے کہ اپنی زندگی میں غالب کی کوئی قدر نہیں رہی۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ غالب دہلی کے بادشاہ ظفر اور رام پور کے نواب یوسف علی خاں دونوں کے استاد تھے۔ دہلی کے تمام حاکموں اور ادیبوں سے ان کے مسودے مراسم تھے۔ ان کی تمام تصانیف ان کی زندگی میں نہ صرف شائع ہوئیں بلکہ بعض کے کئی کئی ایڈیشن لکھے۔ اردو دیوان پانچ بار شائع ہوا، استاد شاہ فتح ذوق کی زندگی میں ان کے دیوان کو ایک بار بھی طباعت کا سہہ دکھنا نصیب نہ ہوا۔ دیوان مومن محسن ایک بار شائع ہوا۔ غالب کے ارشد فارسی خطوط تک کے مجموعے ان کی زندگی میں چھپ گئے، یہ اعزاز اور کسی کو ملا تھا؟ غالب کی دو روشنی تصویریں اور ایک فوٹو ملتا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں کتنوں کی معبر تصویریں ہیں؟ بلکہ رام انکشاف کرتے ہیں،

" کج مختلف اساتذہ کی جو تصویریں ممداول ہیں، یہ سب جعلی ہیں۔ ان میں سے بیش تر بھوپالی مصور محمد لویلا کی بنائی ہیں۔ "

(گفٹار غالب، ص ۸۸)

بلکہ رام صاحب کو محسن تحقیق سمجھا جاتا ہے، لیکن اس سبب میں انھوں نے اپنی تحقیقی نظر کا وافر ثبوت دیا ہے۔ وہاں یہ بھی لکھتے ہیں کہ " اردو میں دو شاعر ایسے ہیں

جن کے کلام میں اپنی مخصوص لطافت ہے، میر اور غالبؒ۔ ظاہر ہے کہ مالک رام محض قدیم اساتذہ کی بات کر رہے تھے، اقبالؒ، جوش یا لائق وغیرہ کی نہیں۔ غالب کے لیے لکھتے ہیں،

”غالب کی دنیا نخل اور ولولے، غور و فکر، بہت اور جرأت کی دنیا ہے اس سے آپ کو آزادیِ رائے اور آگے بڑھنے کا سبق ملتا ہے۔ اس کے کلام میں حرکت ہے، نشاط ہے، ولولہ ہے۔ آپ کے دل میں طرح طرح کے سوال پیدا ہونے لگتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ چھ سوالات خود غالب نے اپنے کلام میں خدا اور خدا کے بندوں اور خود اپنے آپ سے پوچھے ہیں، اسے شاید ہی کسی اور شاعر نے دریافت کیے ہوں گے۔ اس صفت کو ہم ”فکر انگیز“ کہہ سکتے ہیں۔“ (ص ۱۳-۱۵)

اب مضامین پر ایک نظر۔ پہلے مضمون ”میر اور غالبؒ“ میں یہ غلط فہمی دور کی ہے کہ غالب ابتدا میں دقیق انداز میں لکھتے تھے، بعد میں میر کے سہل انداز میں لکھنے لگے۔ فاضل مضمون نگار نے بتایا ہے کہ سہل انداز کی ۲۵ مثالیں ۱۹۶۷ء سے پہلے کی ہیں (ص ۱۴)۔ دوسرے مضمون ”انسان کی خلافتِ انبیاءؑ“ میں غالب کے فارسی اور اردو اشعار سے ثابت کیا ہے کہ غالب کی نظر میں انسان دنیا میں خلیفۃ الہی اور خلافتِ کائنات ہے۔ اقبال کی مشہور فارسی نظم ”خدا اور انسان کا مکالمہ“ (— چراغِ آفریدہ) سے پہلے غالب نے اعلان کیا تھا،

دنا گرست این جنگامہ، بنگر شور ہستی را

قیامت می دوزخ ہوا خاک کی کہ انسان شد

”کلام غالب میں معاشرتی عنصر“ ایک اچھوتا عقیدہ مضمون ہے۔ اس انداز کا تجزیہ پہلے نہیں دیکھیں میں نہیں آیا تھا۔ اس میں غالب کے کلام سے معاشرتی ادبِ شرقی کے اصول، سلمانِ غور و نوش، میلے، تہیہ، توہمات، پیٹے وغیرہ سے متعلق بیانات درج کیے ہیں، مثلاً اس زمانے میں جب کوئی شخص کسی سے رخصت ہوتا تھا تو اسے

اپنی یاد دلانے کے لیے کوئی ٹھنڈے دے دیتا تھا۔ ان میں سب سے مقبول شے تھی چھلا جو اکثر نظروں کے سامنے آتا رہتا ہے۔

کافی ہے نعلانی تری چھلے کا نہ دینا  
نعلانی چھلے دکھلا کے ، بوقت سفر ، انگشت  
(ص ۳۷)

اسی طرح مصنف کے بقول بازار میں حلیک سلیک کے علاوہ طویل گنگو کا بالکل رواج نہ تھا۔ ناقدین حدیث نے لکھا ہے کہ کوئی شخص بازار میں کھڑا کھا رہا ہو تو اس کی روایت کردہ حدیث پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ غالب اس شعر کا فائدہ اٹھا کر کہتے ہیں۔

کچھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرستِ حلی  
کہ یہ کئے کہ سر رہ گزر ہے ، کیا کیجیے  
(ص ۳۸)

غفر کے دربار کے یہ آداب تھے کہ درباری ایک دوسرے سے ملنے پر سلام کے لیے اپنے ہاتھ پیشانی کے بجائے کان تک لے جاتے تھے ، اس کی غالب نے یہ لطیف توجیہ کی۔

کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام  
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم سمجھتا نہیں  
(ص ۳۹)

”ذوق نادر غالب“ ایک اور تنقیدی مضمون ہے۔ مالک رام ماہرِ ظہیریت ہیں ، توقع تھی کہ وہ غالب کے طرف دار ہوں گے ، لیکن اس مضمون میں انھوں نے ذوق نادر کے ہم معنی اشعار کا بڑی معروضیت سے موازنہ کیا ہے اور اکثر صورتوں میں ذوق کے اشعار کو ترجیح دی ہے۔ ”ارمغانِ مالک“ دیکھنے سے مطمئن ہوا کہ یہ مضمون ستمبر ۱۹۶۶ء کا ہے اور اسی سے ان کی غالب سے دل چسپی کی ابتدا ہوئی۔ کلام غالب کے اجدائی انتخاب ”گلِ رحمت“ سے متعلق دو مضامین ہیں۔ یہ انتخاب گم ہو گیا تھا۔ مالک رام کو سب سے پہلے اس کا نسخہ ۱۹۵۷ء میں ملا۔ انھوں نے اسے خالق تو کیا۔ ۱۹۶۰ء

میں لیکن اس سے پہلے دو مضامین میں اس کے مشمولات کا تعارف کرایا، ایک میں اردو حصے کا، دوسرے میں فارسی کا۔ پہلا مضمون "نذر ذاکر" (۱۹۶۸ء) میں "گل رعنا" (غالب کا گم شدہ انتخاب کلام) کے نام سے چھپا۔ "نذر ذاکر" دس سال پہلے ہی سے زیر ترتیب تھی۔ ملک رام نے یہ مضمون اپریل ۱۹۵۸ء سے پہلے لکھا جو "نذر ذاکر" میں ۱۹۶۸ء میں سامنے آیا (مقدمہ "گل رعنا" ص ۱۰)۔ "مکتبہ غالب" میں اس کا نام "گل رعنا ہیرہ اردو" ہے۔

جب "نذر ذاکر" میں یہ مضمون چھپا، اس کی بہت اہمیت تھی کیونکہ اس وقت تک "گل رعنا" شائع نہیں ہوئی تھی۔ "گل رعنا" کی اشاعت کے بعد اس مضمون کی اہمیت محض تاریخی رہ گئی ہے، مطبقات نہیں۔ فارسی حصے سے متعلق مضمون "نذر" جولائی ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔ یہ "ہیرہ اردو" کے بعد لکھا گیا لیکن شائع اس سے پہلے ہوا۔ دونوں مضامین میں بعض اشعار کے "گل رعنا" میں شامل متن اور بعد کے مجموعوں میں ترمیم شدہ متن کی نشان دہی کی ہے نیز بہت سی نظمیں اور غزلوں کا زبانی مطالعہ کیا ہے۔

"دیوان اردو کی کہانی" ص ۷۷ مضمون کا حقیقی مضمون ہے اور میرے نزدیک اس مجموعے کی بہت الغزل ہے۔ یہ اور معاشرتی عناصر والا مضمون اس مجموعے کے سب سے دل چسپ اور معلومات افزہ مقالے ہیں۔ تحقیق میں کس طرح افسانوی دل چسپی پیدا کی جا سکتی ہے، یہ "دیوان اردو کی کہانی" میں دیکھیے۔ اس کی ابتداء میں یہ بحث ہے کہ غالب نے شعر گوئی کا آغاز کب کیا۔ اس کے بعد ان کے مرتبہ تھی مجموعوں انتخابات، دیوان کے مختلف ایڈیشنوں اور بیسیویں صدی کے بعض مطبوعہ متون کی تفصیل ہے۔ ہر چیز آمیز ہو کر سامنے آجاتی ہے، ہر موضوع کے ایجاد سے پوری واقفیت ہو جاتی ہے۔ "دیوان غالب" بحث غالب کی بحث خاص طور سے دل چسپ ہے۔ اس سے یہ انکشاف ہوا کہ ملک رام نے توفیق احمد کو اس نسخے کے لیے دس ہزار روپے بخش کئے لیکن وہ راضی نہ ہوا (ص ۱۳۳)۔ ملک رام کا ایک اور اہم مفروضہ یہ ہے کہ اس دیوان سے پہلے بھی کوئی غیر مردف بیاض یا دیوان رہا ہو گا، نیز اس

بخط غالب دیوان کی ایک اور نقل تیار کی گئی ہوگی۔ ان قیاسات کے دلائل ضعیف نہیں (ص ۱۵۱-۱۵۲)۔

موجودہ دیوان منتخب ہے۔ آزاد نے "آب حیات" میں لکھا ہے کہ انتخاب کا کام مولوی فضل حق اور مرزا غلام عرف مرزا غانی کو قوال شر نے کیا۔ ملک رام اسے افسانہ طرازی قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ مولوی فضل حق کا علم و فضل مستم نہیں اردو شعر کی تنقید میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے۔ مرزا غانی قسبل کے شاگرد تھے اور اور اس کی ذریت کے بارے میں غالب کی جو رائے تھی، وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ دراصل غالب نے خود انتخاب کیا اور حذف و اضافہ کا یہ عمل صرف ایک ہی مرتبہ نہیں کیا بلکہ ساری عمر اس پر عمل پیرا رہے (ص ۳۰-۱۳۹)۔

مجھے ملک رام کے اصلاحی سے اتفاق ہے، لیکن کافی داس گپا رحمان نے مجھے اپنے ۲۳ اگست ۱۹۹۳ء کے مکتوب میں لکھا:

"میرے ذخیرہ مخطوطات میں ایک عربی کتاب ہے جس میں مولوی فضل حق کے کئی طویل قصیدے ہیں۔ اس سے ان کا عربی کا متعلق ظاہر ہونا ثابت ہے اگر وہ عربی کے باقاعدہ شاعر تھے تو اردو اور فارسی کے بھی ہوں گے۔"

خود ملک رام صاحب کے مجموعے "تحقیقی مضامین" میں ایک مضمون "مولانا فضل حق حیدر آبادی" شامل ہے، اس میں لکھا ہے کہ جزیرۂ ایشیاء میں انھوں نے اپنی سرگزشت عربی نظم و نثر میں لکھنا شروع کی (ص ۱۱۷)۔ اس سے بھی ان کا عربی شاعر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ انھوں نے مضمون "چراغ ویر" اس فارسی شاعری کا تحقیقی تعارف ہے۔ نواس مضمون "غالب کی فارسی تصانیف" "نقد" جولائی ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ اس میں غالب کی جملہ فارسی نظم و نثر کی تمام کتابوں کی تفصیل ہے، نیز سنگل رجسٹر کے کہ اس کے بارے میں دو مضامین اسی شمارے میں شامل ہیں۔ دسواں مضمون "صباح" ہے۔ ان سے پہلے مولانا عرشی نے "نقد" "گھنٹا" مئی ۱۹۹۱ء میں اس شاعری کا تعارف اور متن شائع کر دیا تھا۔ "دعاے صباح" حضرت علیؑ سے

منسوب ایک عربی دعا ہے جس کا غالب نے فارسی نظم میں ترجمہ کیا تھا۔ قاضی عبدالودود  
 کہا کرتے تھے کہ غالب کو عربی بالکل نہیں آتی تھی۔ مالک رام بھی ملتے ہیں کہ مرزا کی  
 عربی بہت کمزور تھی، اس لیے کسی نے عربی دعا کا فارسی مترجم کر دیا جسے غالب نے  
 نظم کیا (ص ۱۵۱)۔ یہ نظم ان کے بھائی مرزا عباس بیگ کے ایما پر شائع ہوئی۔  
 مالک رام صاحب نے کئی صفحات میں اس تفصیل سے عباس بیگ کی سوانح لکھی ہے  
 جیسے یہ ان کی چھٹی کی کھیر کھا چکے ہوں۔ ان سے پہلے کافی داس گچھا رختا نے اپنی کتاب  
 ”تعلقات غالب“ میں اور زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ مالک رام صاحب کے بیان سے  
 ایک دل چسپ اچھپس نیچے،

”سب سے پہلی حرکت انھوں نے یہ کی کہ اپنی چچی یعنی مرزا افضل بیگ  
 کی جوان بنگالی بیوی کو گھر ڈال لیا۔ مرزا افضل بیگ جب نکلتے سے واپس  
 آئے ہیں تو یہ عاتقوں وہاں سے ان کے ساتھ آئی تھیں۔ خدا مظلوم، آہیں میں  
 باقاعدہ شادی بھی ہوئی تھی یا نہیں، لیکن بہر حال عرف عام میں وہ عباس بیگ  
 کی چچی ہی تھیں۔ بظاہر افضل بیگ واپسی کے بعد زیادہ دن زندہ نہ رہے۔ یہ  
 عورت جوان بھی تھی اور خوب صورت بھی، مگر عباس بیگ کی بھی اہلیتی  
 جوانی اور سرخ و سپید رنگ۔ دونوں ایک دوسرے پر فدا ہو گئے۔ قہرہ دہی  
 نکلا جس کی توقع کی جا سکتی تھی۔ خاندان کے دوسرے افراد نے اس  
 فعل شہیجہ پر دونوں کو اور خاص طور پر عباس بیگ کو بہت لعن طعن کی۔“  
 (ص ۱۱۱)

سوانح دل چسپ ہے، لیکن اتنی تفصیل کی کیا ضرورت تھی؟  
 ”سوانح عبدالکریم“ ”بہان قاطع“ کے سلسلے کا ایک اٹھ مصلحوں کا رسالہ ہے  
 جسے غالب نے عبدالکریم کے نام سے لکھا ہے۔ گیارہویں مضمون میں مالک رام نے  
 اسی کا تعارف کرایا ہے اور آخر میں کچھ داخلی شواہد دیے ہیں کہ اسے کیوں غالب ہی

کی تصنیف مانا جائے گا۔ سوالات میں زیادہ تر غالب کے ایک مخالف کی زبانِ خارجی پر اعتراض ہیں۔

اگلا مضمون "احسان، غالب، ذکا" ہے۔ بہادر شاہ کے عہد میں دستور تھا کہ ملازموں کو ہفتہ وار ایک بار تنخواہ ملتی تھی۔ بادشاہ چاندنی چوک اور کٹرہ نیل کے سماجنوں سے قرض لے کر تنخواہیں بانٹ دیتے تھے۔ غالب کا ہجمائی تنخواہ میں گزارہ نہ ہوتا تھا۔ اس پر انھوں نے بادشاہ کی خدمت میں ایک منظوم درخواست پیش کی کہ انھیں تنخواہ ۱۰ روپے ملے۔ اس کے عین اشعار یہ ہیں،

رسم ہے مروے کی ہجمائی ایک  
خلق کا ہے اس چلن پہ مدار

مجھ کو دکھو تو ہوں بھیہ حیات  
اور ہجمائی ہو سل میں دو بار

میری تنخواہ کیجئے ۱۰ روپے  
تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار

ملک رام صاحب نے دریافت کیا ہے کہ یہ منظوم عرضی غالب کی ایجاد نہیں۔ اس میں انھوں نے حافظ عبدالرحمان جیو احسان کی تھکیہ کی ہے جنھوں نے غالب سے پہلے ظفر کے نام اسی زمین میں ایک قلعہ بھیجا تھا جس میں تنخواہ نہ ملنے کی دل چسپ داستان اور تنخواہ کی ادائیگی کا قصدا تھا (ص ۵۵ - ۵۶)۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غالب کے سامنے احسان کا قلعہ تھا۔ غالب نے بھی احسان کی طرح قرآن کا ایک جملہ مصرعِ ثانی کی شکل میں ہو ہو لے لیا ہے،

وقتا رہتا عذاب النار

غالب کی تھکیہ ان کے شاگرد حبیب اللہ ذکا حیدر آبادی نے کی۔ جب انھیں ایک مرتبہ نواب سلاطہ جنگ کے یہاں سے تنخواہ ملی تو انھوں نے بھی اسی زمین میں ایک

قطعہ کھڑ کر لواب صاحب کو بھیجا۔ پہلے دو اصحاب کے مقابلے میں ذکا کے قطعے میں سنجیدگی ہے۔

آخری مضمون کا عنوان " غالب اور سافر " ہے۔ ملک رام " دیوان غالب " کے لیے لکھتے ہیں،

" کچھ دنوں میں نے پہن ہی مسوہری طور پر دیوان کا اس پہلو سے جائزہ لیا

تو اس میں توقع سے کہیں زیادہ سافر کی مثالیں نظر آئیں "۔ (ص ۹۵۹)

انگریزی میں ایک صنعت alliteration (سرخنی) ہے جن میں لفظوں میں متواتر ایک آواز سے شروع ہونے والے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، اسے حسن سمجھا جاتا ہے۔ ملک رام صاحب نے اپنے مضمون کے پیش تر حصے میں غالب کے ایسے اشعار نقل کیے ہیں جن میں ایک آواز بار بار آتی ہے، ضروری نہیں کہ لفظ کی ابتدا میں ہو، وسط یا آخر میں بھی ہو سکتی ہے۔ میری رائے میں ان میں سے ایک بھی مثال سافر کی نہیں۔ خود لکھتے ہیں،

" آپ نے دیکھا کہ غالب کے کلام میں متعدد اصوات کی یکجا بکثرت

موجود ہے۔ سافر یہ ہے کہ جب ایک ہی آواز کے تواتر سے کلام میں ثبات

پیدا ہو جائے اور اس کے پڑھنے یا سننے سے طبیعت کو ناگوار محسوس ہو تو

اسے کلام کے عیب میں شمار کرتے ہیں "۔ (ص ۱۰۰)

وقت یہ ہے کہ بلاغت کی کتابوں میں فصاحت کی مفصل تعریف نہیں ملتی۔ بہر حال

چونکہ فصاحت کلمے اور کلام دونوں میں ہوتی ہے، اس لیے سافر کا عیب بھی کلمے اور کلام

دونوں میں ہوتا ہے۔ " بحر الصاحت " میں لکھا ہے،

" بعض چیزوں کو جس معلوم کر لیتا ہے، چنانچہ حروف اور کلمات کا سافر

جس سے معلوم ہو جاتا ہے "۔

(دکھو، ۱۹۵۱ء، ص ۱۰۵)

میری رائے میں کلمے میں سافر اصوات وہ ہے جن میں دو قریب الحرج آوازیں متواتر یا



بہت قریب آجائیں جس کی وجہ سے لفظ کو روانی سے ادا نہ کیا جاسکے، مثلاً، بھری ٹھار، کھٹکھٹ بیگ، یا لفظ میں ایسی آوازیں جمع ہوں جن سے ٹکات پیدا ہو جائے، مثلاً، کڑھیلڑ، پکڑ، ڈاڑھی، ڈھانڈا، ڈھینگڑا، ڈھنڈو، ٹنڈا۔

حافظ کلام وہ ہے جہاں ایک لفظ کے آخر میں اور باجود لفظ کے شروع میں یکساں یا قریب اکثر آواز آجائے یا جٹے یا مصرع میں مماثل آوازیں اس کثرت سے آجائیں کہ ثقیل معلوم ہوں۔ جوش کی نظر ”چند نامہ“ کے یہ مصرعے دیکھیے،

جل جھل، جچ چچاں چچیں، چنگھڑ

جج ججے، چاوں چاوں، چیل چلمڑ

(الٹھن آوارگی، اوسم انٹھن)

بھوبک بھوں بھوں، بھن بھن، بھن بھن

لو بھبک، بے، بکس، برر، بھوپال

(دوبے، دودھائیں، دھمال)

توسین والے مصرعوں میں حافظ کا شائبہ نہیں۔ اب یہ ذوق اور جس پر منحصر ہے کہ کوئی جیسے مصرعوں میں مماثل آوازوں کے اجتماع کو حافظ کلام قرار دے یا انھیں سلیقے سے مجتمع کرنے والی قادر الکلامی۔ بہر حال میری رائے میں ملک رام کا یہ مضمون غیر ضروری ہے، کیونکہ اس میں جو اشعار درج کیے ہیں، ان میں حافظ ہے ہی نہیں۔

اس مجموعے کے کئی مضامین اہم ہیں مثلاً، ”دیوان اردو کی کتابی،“ کلام غالب میں معاشرتی عناصر“ اور ”غالب کی فارسی تصانیف“، لیکن بحیثیت مجموعی تحقیق غالبیات میں یہ مجموعہ ”فساد غالب“ کی برابری نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں کچھ کمرہاں کو جمع کیا گیا ہے۔

## تحقیقی مضامین (۱۹۸۷ء)

ملک رام کے ان مجموعے پر ہاشم نے سہ اشاعت دسمبر ۱۹۸۳ء لکھا ہے ، لیکن ملک رام کے مقدمے پر یکم اکتوبر ۱۹۸۷ء کی تاریخ درج ہے ۔ انھوں نے تجھے یہ کتاب ۳۱ مارچ ۱۹۸۸ء کو دستخط کر کے دی ۔ اس سے میرا خیال ہے کہ یہ واقعی ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی ۔ اس کے جلد حیرہ مطبعین میں سے بہرحم غالب سے مستطیع ہیں ۔ ان کے عنوانات اور سن کی اولین اشاعت کی تفصیل حسب ذیل ہے ،

۱۔ غالب کے فارسی قصیدے (کچھ نیا کلام) "فقوش" ، مارچ ۱۹۸۳ء

۲۔ "قادر نامہ" کا مصنف "اردو" ، جولائی ۱۹۸۳ء

۳۔ غالب کا ایک نیا خط "تاریخ کل" ، فروری ۱۹۸۵ء

۴۔ "باور خطوط غالب" (مرتبہ رسا ہمدانی) پر ایک نظر "جامعہ" ، مارچ ۱۹۸۳ء

۵۔ "دختر" "آج کل" ، فروری ۱۹۹۷ء

۶۔ غالب اور صہبائی "منظر" ، رام پور ، فروری ۱۹۸۳ء

پہلے ان کے مضمون "غالب کے فارسی قصیدے (کچھ نیا کلام)" پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس کی ابتدا میں لکھتے ہیں ،

"بہت دن ہوئے میں نے غالب کا فارسی دیوان مرتب کیا تھا ۔ اس کے

لے میں نے گیارہ نسخے استعمال کیے تھے ، نو (۹) خطی اور دو ان کی زندگی کے

مطبوعہ نسخے ۔ افسوس کہ ایک مرحوم سربراہ کے کرم کے صدقے یہ شائع نہ ہوا

نچرے ، یہ دوسرا قصہ ہے "۔ (ص ۱۱)

اس دل گداز بیان کو پڑھ کر قادی بھی مضموم ہو جاتا ہے ۔ جیسا کہ آگے محدثین کے

باب میں تفصیل دی جائے گی ، یہ سربراہ قاضی عبدالودود ہیں جنھوں نے ملک رام کے

جہاد کیا ہوئے ٹکڑے کے درمیان سے کئی اجزا ضائع کر دیے ۔ یہ مقالہ تحقیق کا بھی

اچھا نمونہ ہے اور اس کے باوصف دل چسپ بھی ۔ غالب نے متعدد قصیدے پہلے کسی

اور کی مدح میں لکھے تھے۔ بعد میں چند اشعار کی تہذیبی سے کسی اور کے نام جز دیے۔  
 بانک رام نے مخطوطات کی مدد سے کلیات مطبوعہ کے گیارہ فارسی قصیدوں کے اصل  
 ممدوحین اور اشعار میں رد و بدل کا سراغ لگایا ہے۔ بعض تبدیلیاں دیکھ کر شاعر کی  
 جودت اور ظرافت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً بہادر شاہ کے غزل صحت کے قصیدے کو بھی  
 قدوس تہذیبی سے ملکہ وکٹوریا کے سر منقذ دیا۔ مرزا فخرود کے قصیدے کو بھی  
 ملکہ وکٹوریا کی نذر کر دیا۔ ہاتھ کی صفائی دکھا کر بہادر شاہ ظفر کی مدح کے قصیدوں سے  
 انگریز افسروں کو نواز دیا۔ ایک قصیدہ اصلاً غازی الدین حیدر اور معتقد الدولہ آغا میر  
 کے نام مختل کر دیا۔ امجد علی شاہ کا قصیدہ ان کے بیٹے واجد علی شاہ کا ورثہ ٹھہرا۔ گورنر  
 جنرل ہارڈنگ کی مدح کا قصیدہ، راجا شیو وشیان سنگھ والی اور کر قویض کر دیا، بہادر شاہ  
 ظفر کی مدح کا ایک قصیدہ مہاراجا زمہدر سنگھ والی پٹیل کا مقسوم ٹھہرا۔ بانک رام نے  
 ممدوحین کی تہذیبی کے علاوہ اشعار میں رد و بدل کی بھی نشان دہی ہے۔

جلی نے "مقدمہ شعر و شاعری" میں اردو قصیدوں کے لیے لکھا ہے،

"مدح میں اکثر ایک نام کے سوا کوئی خصوصیت ایسی مذکور نہیں ہوتی جو

ممدوح کی ذات کے ساتھ شخص ہو بلکہ ایسے حادثی الفاظ میں مدح کی جاتی ہے

کہ اگر بالفرض مدح اس علت میں کہ فلاں شخص کی مدح کیوں کی، عدالت

میں مانوڑ ہو جائے تو قصیدے میں کوئی لفظ ایسا ملے جس سے اس کا جرم

ثابت ہو سکے۔"

(المعنی، ستمبر ۱۹۹۹ء، ص ۷۵-۷۶)

غالب کے فارسی قصیدے احمد کی ٹوپی محمود کے سر پر چست کر دینے کی دل چسپ  
 مثال ہیں۔ دوسرا مضمون "قادر نامہ کا مصنف" ہے۔ میرن صاحب اور اسمیر جتلی کی  
 شہادت ہے کہ یہ منظوم لغت غالب کی تصنیف ہے۔ اس کے باوجود مولانا غلام  
 رسول سر نے اس کے غالب کی تخلیق ہونے پر شک کیا۔ بانک رام نے متعدد اشعار کا  
 تجزیہ کر کے ثابت کیا کہ یہ غالب ہی کی تصنیف ہے۔ یہ داخلی شراویں بہت مضبوط

ہیں۔ عیسٰی مضمون، غالب کا ایک نیا خط، "آج کل" فروری ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں حکیم غلام نجف خاں کے نام ایک اردو خط پیش کیا ہے اور ساتھ ہی اس کی شاہانہ جدول دی ہے۔ آخری پیراگراف میں خطوط غالب کے بعض قدیم مجموعوں میں غلام نجف خاں سے متعلق مین خطوں کے غلط احساب کی نشاندہی کی ہے (ص ۵۱)۔

چوتھا مضمون، "نادر خطوط غالب (مرتبہ رسا ہمدانی) پر ایک نظر" نولڈا رسالہ "مباحثہ"، مارچ ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا، اس کے بعد ذیل نظر مجموعے میں۔ سید محمد اسماعیل رسا ہمدانی گیلدی، ٹریبل ایم۔ اے آکولڈ میڈلسٹا نے یہ مجموعہ ۱۹۳۹ء میں لکھنؤ سے شائع کیا اس میں کل ۲۷ خطوط ہیں، ۲۲ مرقب کے پرانا سید کرامت حسین ہمدانی کے نام، ۵ مین صفیر بلگرامی کے نام اور ایک فرزند علی شاہ صوفی منیری کے نام۔ ناصر پیادے لال شاکر میرٹھی نے اشاعت سے قبل یہ خطوط ملک رام کو دکھائے۔ ملک رام نے پادی النظر میں دیکھ کر شاکر سے کہا کہ یہ خطوط جعلی ہیں اور وہ انھیں شائع نہ کریں چونکہ ملک رام کے پاس اس وقت کوئی کتاب نہ تھی اور وہ ایک لمبے سفر پر جانے والے تھے اس لیے مزید ثبوت مہیا نہ کر سکے۔ شاکر نے کتاب شائع کر دی۔

جب ملک رام نے خطوط کو بہ المہیمان دیکھا تو انھیں معلوم ہو گیا کہ رسا نے غالب کے شائع شدہ خطوط میں سے ادھر ادھر کے ٹکڑے جوڑ کر یہ خطوط مرقب کیے ہیں۔ اپنے مضمون میں انھوں نے ۲۳ خطوں کے تآخذ کی نشاندہی کی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے مزید ثبوت فراہم کیے، مثلاً خط میں دی ہوئی تاریخ تک قرن میں متعدد جہ بعض واقعات ظہور پذیر نہیں ہوئے تھے، یہ خطوط کسی بے تکلف دوست ہی کو لکھے جا سکتے تھے اور کوئی شہوت نہیں کہ کرامت ہمدانی غالب کے بے تکلف دوست تھے۔ آخری بات یہ کہ یہ خطوط غالب کی مکتوب نگاری کے بعض خاصہ سے معزا ہیں۔ ملک رام نے سب سے پہلے اس جعل کا بھانڈا پھوڑا۔ ان کے کچھ عرصے کے بعد قاضی عبدالودود کا مضمون "معاصر" جنوری ۱۹۳۳ء میں آیا۔

پانچواں مضمون، "دخنیو" مکتبہ جہر سطحوں کا ہے۔ اس میں انھوں نے دکھایا ہے کہ غالب نے یہ کتاب یہ جاننے کے بعد لکھی کہ فتح انگریزوں کی ہو گی۔ چونکہ غالب نے طے کر لیا تھا کہ یہ کتاب انگریز حکومت کو پیش کریں گے، اس لیے اسی نقطہ نظر سے

لکھا اور بعض جگہ وائسڈ غلط بیانی کی۔ چھٹا مضمون "غالب اور سبھائی" - نگار<sup>۱</sup> رام پور، فروری ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔ اس میں دکھایا ہے کہ غالب نے مولانا سبھائی کے بارے میں ہمیشہ مضامین اور لہانت آسج الفظ کا استعمال کیا ہے، بالخصوص اس لیے کہ سبھائی کے ایک شاگرد نے معرکہ "برہان قاطع" میں غالب کے خلاف ایک رسالہ لکھا تھا۔

"تحقیقی مضامین" کے ان تہہ مضامین میں اہم ترین مضمون "ناور خطوط غالب" سے متعلق ہے اور اس کے بعد غالب کے تاریخی قصیدوں میں الٹ پھیر کی نشان دہی والا۔ ان تہہ مضامین کے علاوہ دو مضمون ان شخصیتوں کے بارے میں ہیں جو غالب کی زندگی سے جڑے ہوئے ہیں۔ مولانا فضل حق غیر آبادی اور ذوق۔ چونکہ ان دونوں مضامین میں غالب سے متعلق کچھ نہیں، اس لیے ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

## مشرق مضامین

مجموعوں کے بعد غالب سے متعلق ان مضامین کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے جو مشرقی رسالوں یا مجموعوں میں شائع ہوئے۔ ان میں سے صرف پانچ تہہ میری نظر سے گزرے ہیں، البقیہ سب کے بارے میں عرش طبیبی کے مضمون نگار شمس الملک رام سے اخذ کرنے پر اکتفا کروں گا۔ مضامین کو ذیلی ترتیب سے لیتا ہوں،

۱۔ غالب کی ایک غیر مطبوعہ تحریر "ادبی دنیا"، لاہور، ستمبر ۱۹۳۹ء

غالب نے دہلی سوسائٹی میں ایک مضمون پڑھا تھا، اسی کو تلاش کر کے پیش کیا ہے۔

۲۔ غالب اور قسبل "ادبی دنیا"، مارچ ۱۹۳۰ء

اسد علی انوری فرید آبادی نے اس نام کی کتاب میں قسبل کی حمایت اور غالب کی مخالفت کی تھی۔ الملک رام کے نزدیک انھوں نے غلط استدلال سے غلط نتیجے نکالے تھے انھیں کی تردید کی ہے۔

۳۔ غالب کی اردو خطوط انجمن کی تاریخ "جامعہ"، فروری ۱۹۳۲ء

اس میں ثابت کیا ہے کہ غالب یقیناً ۸۱۳۱ھ میں، اور غالباً اس سے بھی پیش تر، اردو میں خط لکھنے لگے تھے۔

۳۔ مرزا غالب اور امیر جٹائی "نوائے ادب"، بمبئی، جنوری ۱۹۵۵ء

"قاطع پرہیز" کے مترکے میں دونوں طرف سے کچھ نظمیں بھی لکھی گئی تھیں۔ ایک نظم محمد امیر گھنوی کے نام سے تھی۔ چاشنی احمد میاں اختر جو ناگزری کا خیال تھا کہ یہ مشہور شاعر امیر جٹائی کی تھی۔ بلکہ رام نے اس نامے کی تردید کی ہے۔

۵۔ بلخ دو در "آج کل"، مارچ ۱۹۵۵ء

غالب نے "سہد چین" کے بعد جو مزید فارسی نظم و نثر تخلیق کی، اسے شامل کر کے "سہد چین" کا ایک اضافہ شدہ نسخہ تیار کیا جس کا نام "بلخ دو در" رکھا۔ اس کی تاریخ "سہد بلخ دو در" سے ۳۴ نکلتی ہے۔ یہ مجموعہ غالب کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا۔ خوش قسمتی سے اس کا اصل نسخہ لاہور کے سید وزیر الحسن عابدی کو مل گیا۔ انھوں نے اس کا تعارف رسالہ "آج کل" دہلی ماہ ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء میں کرایا۔ عابدی کے نسخے کی ایک نقل عرشی صاحب کو مل گئی۔ بلکہ رام نے اسی نقل کو دیکھ کر اس انتخاب کا تعارف کرایا۔ اس تصنیف کی بعد کی تاریخ یہ ہے،

وزیر حسن عابدی نے "بلخ دو در" کا متن پہلی بار "اورینٹل کالج میگزین" لاہور میں دو قسطوں میں اگست ۱۹۳۶ء اور اگست ۱۹۳۷ء میں شائع کیا۔ ان دونوں قسطوں کے آف پرنس کتابی صورت میں یکے جا کر دیے گئے اور ان پر لاہور بار اول ۱۹۳۶ء کی تاریخ ڈال دی تھی۔ اعلیٰ عرشی صاحب نے اسی نسخے کی چھپیں رسالہ "اردو" کراچی، غالب نمبر حصہ اول، ۱۹۳۹ء میں شائع کر دی اور اسی سلسلہ انجمن ترقی اردو پاکستان سے کتابی شکل میں بھی شائع ہوئی۔ اس کے بعد وزیر حسن عابدی کی مرتب کردہ کتاب، ۲۳۰ صفحات کے تحقیق نامے کے ساتھ، پنجاب یونیورسٹی لاہور نے ۱۹۷۰ء میں شائع کی۔ عرشی صاحب نے اپنے مرتب کردہ نسخے کا نام "سہد بلخ دو در" جو رکھا وہ مناسب نہ تھا۔ غالب نے اس مجموعے کا نام "بلخ دو در" رکھا تھا۔ "سہد بلخ دو در" اس کی تاریخ تھی۔ حیرت ہے کہ بلکہ رام نے بھی اپنے مضمون "غالب کی فارسی تصانیف" مشمولہ "انتخاب غالب" میں اس کا ذکر "سہد بلخ دو در" کے عنوان سے کیا ہے، محض "بلخ دو در" سے نہیں۔ "انتخاب غالب"، ص ۱۰۷

ملک رام مندرجہ بالا اندراج میں اطلاع دیتے ہیں کہ ”ہجرت دو در“ میں ”سہد چین“ سے محض ۳۶ شعر زیادہ ہیں، ان میں سے ۳۰ کو چھوڑ کر بقیہ ۱۱۶ شعر وہ اپنی مرتبہ ”سہد چین“ اور بعض مضامین میں شائع کر چکے تھے۔ (آکسفورڈ غلاب، ص ۱۳۳)

۶۔ غلاب کا ایک شعر  
ذریعہ بحث شعر ہے۔

بقدر شوق نہیں طرفِ تنگنای غزل

کچھ اور چاہیے وسعت مرے ہیں کے لیے

اس سے عام طور پر سمجھ لیا جاتا ہے کہ غلاب صنف غزل کے خلاف ہو گئے تھے۔ ملک رام نے صراحت کی کہ انھوں نے غزل کو جمہل حسین غلام کی مدح کے لیے ناگہلی سمجھا۔

۷۔ غلاب کا ایک گم شدہ قصیدہ

اس میں غلاب کے ایک فارسی قصیدے کی کئی منزلوں کے ممدوحین کی تعہین کی گئی ہے۔ یہ مضمون ان کے طویل مقالے ”غلاب کے فارسی قصیدے (کچھ نیا کلام)“ (فخوش، مارچ ۱۹۳۳ء، نمبر ۳) میں شائع کیا گیا۔

۸۔ تبصرہ دیوان غلاب، نسخہ عرشی

”فکر و نظر“، جنوری ۱۹۶۱ء

ملک رام نے دیوان غلاب کا ایک ایڈیشن آزاد کتب گھر دہلی سے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔ مولانا عرشی کا تاریخی کارنامہ دیوان غلاب، نسخہ عرشی ۱۹۵۸ء میں آیا۔ اس کی داد دیتے ہوئے ملک رام نے اس پر ”فکر و نظر“ علی گڑھ، جنوری ۱۹۶۱ء میں ایک تبصرہ کیا۔ محمد طفیل نے ”فخوش“، نومبر ۱۹۶۳ء میں اسے ڈائجسٹ کیا۔ ملک رام نے اس میں عرشی صاحب کی حدیث سے کچھ اختلافات کیے تھے۔ اما عرشی صاحب نے تین سال بعد اس کا جواب ”دیوان غلاب نسخہ عرشی“ کے عنوان سے ”فخوش“، نومبر ۱۹۶۵ء میں لکھا۔ مضمون ہونا ہے مدبر کی اصلی غرض اس جوابی مضمون کو شائع کرنے کی فہمی، اس کے حوالے کے لیے اس سے قبل ملک رام کا اصل مضمون بھی چھاپ دیا گیا۔ غلابیت کے چوٹی کے دو ماہرین کا یہ مباحثہ ست اہم ہے، اس لیے میں اس کے اہم نکات درج کیے جاتے ہیں۔

ملک رام نے اپنے تہرے میں چار نکات پیش کیے ،  
 ۱۔ ”یادگار غالب“ ہر فارسی میں جالی گھٹے ہیں کہ ”حکیم احسن اللہ علی مرحوم نے  
 مرزا سے جب وہ نکلنے میں مقیم ہیں ، خواہش کی ہے کہ اگر آپ نے اپنی کچھ مٹریں جمع  
 کی ہوں تو بیچ دیجیے “ (طبع اول ، ص ۱۲۵)۔ اس کے جواب میں مرزا نے ان کا  
 شکریہ ادا کیا اور ”دیوان رحمتہ“ کا دیباچہ اور ”گل رعنا“ میں شامل مٹریں بھیجیں ۔  
 مولانا عرشی نے ”نسخہ عرشی“ کے دیباچے میں لکھا ،

”چونکہ اس خط میں ترتیب و انتخاب دیوان کا ذکر ہے اور مولانا نقاش  
 بدایونی کو ”دیوان غالب“ کا ایسا محفوظ ملا تھا جس میں دیباچے کی تاریخ ۱۳۳۸  
 ذی قعدہ ۱۳۳۸ (۱۳ اپریل ۱۹۲۰ء یعنی سفر گلگتہ کے بعد) درج تھی ، اس  
 لیے مولانا جالی کے بیان کو نظری قرار دے کر تاریخ انتخاب دیوان کو اس تاریخ  
 (۱۳۳۸ء) سے کچھ قبل ماننا پڑے گا “؛

(دیباچہ نسخہ عرشی ، ص ۱۵۳)

عرشی صاحب نے اپنے دیباچے ص ۵۸ پر غالب کے مکتوب بنام احسن اللہ علی کو آخر  
 سنہ ۱۳۳۸ (۱۳۳۸ء) کے بعد کا مانا ہے ۔  
 ملک رام اپنے تہرے میں لکھتے ہیں ،

”اگر ترتیب دیوان کا کام نکلنے سے جانے کے بعد دہلی میں ۱۳۳۸ء میں ہوا  
 نیر حکیم احسن اللہ علی کے نام کا خط نکلنے سے نہیں کھانگیا تو کیا میں پوچھ  
 سکتا ہوں کہ غالب سفر گلگتہ کے بعد ۱۳۳۸ء تک کب دہلی سے آتے ہوئے باہر  
 رہے کہ حکیم صاحب ان سے ان کی تازہ دادر مٹریں کی فرمائش کرتے؟  
 ملک رام کی رائے میں یہ خط نکلنے سے کھانگیا اور اس میں دیباچہ دیوان کے  
 ذکر کے یہ معنی ہیں کہ معداول دیوان کی تدوین نکلنے ہی میں ہو گئی تھی اور  
 اس سے ”گل رعنا“ انتخاب کیا گیا “۔

(نقوش ، ص ۸۷)



۲۔ دیوان غالب اردو کا میرا ایڈیشن مطبع احمد دہلی سے ۱۸۷۱ء میں شائع ہوا۔  
 عرشی صاحب کے نزدیک یہ ایڈیشن ضیاء الدین نیر کے نسخہ دیوان غالب پر مبنی ہے۔  
 مؤرخ الذکر محکوطہ غالب کے رام پور کے نسخے سے مقابلہ کر کے صحیح کر لیا تھا (دوبابہ  
 نسخہ عرشی، ص ۱۶۔ ۱۷)۔ ملک رام کی داسے میں مطبع احمدی کا ایڈیشن نیر کے  
 محکوطے سے نہیں، طاہر حسین میرزا کے قلمی نسخے سے تیار کیا گیا۔

۳۔ عرشی صاحب نے داسے ظاہر کی ہے کہ مرزا صاحب کو احمدی پریس میں دیوان  
 چھپوانے کی خواہش نہ تھی جیسا کہ خود انھوں نے خاتمہ الطبع میں لکھا ہے۔  
 ملک رام کہتے ہیں کہ خاتمہ الطبع میں مرزا نے لکھا ہے:

”مخلص و داو آہن میر قمر الدین کی کار فرمائی اور خان صاحب فاضل محمد حسین

کی دامائی مقتضی اس کی ہوئی کہ دس جلدوں کا رسالہ ساڑھے پانچ جلدوں میں

منطبع ہوا۔ اگرچہ یہ انطباع میری خواہش سے نہیں ہوا، لیکن ہر کاپی میری نظر  
 سے گزرتی رہتی ہے۔“

عرشی صاحب نے فقرہ ”اگرچہ یہ انطباع میری خواہش سے نہیں ہوا“ سے یہ قیہ  
 نکالا کہ مرزا کو اس مطبع میں دیوان کا چھاپا جانا ہی سرے سے منظور نہیں تھا، حالانکہ  
 مرزا کا تدا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستم مطبع کی کار فرمائی اور صاحب مطبع کی دامائی سے  
 دس جلدوں کا رسالہ ساڑھے پانچ جلدوں میں منطبع ہوا، یہ بات میری خواہش کے خلاف  
 ہوئی۔

۴۔ نسخہ رام پور جدید غالب نے ۱۸۵۷ء سے پہلے تھنے میں بھیجا عرشی صاحب  
 کی داسے میں اس کی ترتیب مارچ ۱۸۵۵ء اور ستمبر ۱۸۵۵ء کے بیچ ہوئی (دوبابہ ص  
 ۱۸۵)۔ لیکن چند عرشی صاحب نے نسخہ عرشی کے جزو ”قوائے سروش“ کی بنیاد اس پر  
 رکھی ہے۔ اصول یہ ہے کہ مصنف کی زندگی کے آخری ایڈیشن کو متن کے لیے  
 استعمال کیا جائے بشرطہ کہ یہ یقین ہو کہ مصنف نے اس کا مستودہ دیکھا تھا۔ چونکہ  
 دیوان کے چھٹے اور پانچویں ایڈیشن (۱۸۵۷ء، ۱۸۵۸ء) خود غالب کے دیکھے ہوئے  
 ہیں، اس صورت میں ۱۸۵۷ء کے ایڈیشن کو متن کی جگہ دینی چاہیے تھی۔

عرشی صاحب نے ان نکات پر اس اصرار خیل کیا،

۱۔ انھوں نے یہ مان لیا کہ حکیم صاحب کو خط لکھتے ہی سے کھا گیا، لیکن اس سے بے کیے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دہاجہ محداول دیوان کے لیے کھا گیا اور محداول دیوان کی ترسیب لکھتے میں ہوئی۔ مذکورہ دہاجہ انتخاب محداول دیوان سے پہلی منزل، نسخہ شیرانی کا ہو سکتا ہے۔ عرشی صاحب نے ”گل رحمت“ اور محداول دیوان کا تقابلی مطالعہ کر کے ثابت کیا کہ محداول دیوان ”گل رحمت“ سے بعد کی منزل ہے۔ وہ اپنے اس موقف پر قائم رہے کہ انتخاب دیوان ۱۳۳۸ھ میں دہلی میں ہوا۔

۲۔ دہلی و لاہور نسخہ جس سے نسخہ احمدی چمپا ہے، بظاہر حسین مرزا کا نسخہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ مسئلہ سردست بحث طلب نہیں (غوش، ص ۱۱۱)۔ یہاں انھوں نے ملک رام کی بات مان لی۔

۳۔ ملک رام کے اس نکتے کے بارے میں عرشی صاحب خاموش ہیں کہ غالب نے احمدی میں دیوان کے انطباق کو نا پسند نہیں کیا تھا بلکہ دس جزد کے مواد کو ساڑھے پانچ جزد میں ٹھونس دینے پر کبیدہ ہوئے تھے۔

۴۔ عرشی صاحب نے ترسیب اصناف سخن، طریقی اطا اور بہت سے مصرعوں کی ترمیمیں درج کر کے یہ اصرار کیا کہ نسخہ رام پور، احمدی و نظامی ایڈیشن سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، اس لیے صحیح معنی میں غالب کی زندگی کا آخری ایڈیشن اسی کو کہیں گے عرشی صاحب نے واضح کیا کہ نسخہ عرشی کے اختلافات نسخہ سے ظاہر ہے کہ انھوں نے متعدد موقعوں پر مطلوبہ نظامی ایڈیشن کو نسخہ رام پور پر ترجیح دی ہے لیکن بہت سے مقامات پر نہیں دی، کیونکہ ان کی رائے میں خوش ذوقی کے پیمانے سے خوش رو انتخاب (نسخہ رام پور جدید) کے اشعار بستر تھے جبکہ بعد کے ایڈیشن میں ان کا لطف جاتا رہا۔ آخر ملک رام نے بھی اپنے مرتبہ دیوان میں ہر جگہ نظامی ایڈیشن کو حرف آخر نہیں مانا۔

دونوں معاین کا خلاصہ ختم ہوا۔ عرشی صاحب محداول دیوان کی تاریخ ۱۳۳۸ھ پر مصر رہے۔ انھوں نے ملک رام، کہ اس سو کی خطی تصحیح کر دی کہ ”گل رحمت“ محداول دیوان کا انتخاب ہے۔

ہانک رام نے اپنے اپنے پُر مغز اور اہم مضمون کو اپنے کسی مجموعے میں شامل نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ہدین دیوان سے متعلق اپنے موقف میں مذہب ہو گئے۔ ”ذکر غالب“ طبع پنجم ۱۹۵۶ء میں مندرجہ بالا تبصرے کے موقف میں یوں ترمیم کرتے ہیں:

”میرا خیال ہے کہ اس زمانے میں شاید انھوں نے صرف اردو کلام کا ایک مفضل انتخاب مرتب کیا ہو جو مداول دیوان کی اولین یا اجدائی شکل بھی جاسکتی ہے۔“ (ص ۱۶۵)

اور ”گفتار غالب“ ۱۹۷۷ء میں اپنے مضمون ”دیوان اردو کی کہانی“ میں مداول دیوان کے سلسلے میں فصل ۶ میں لکھتے ہیں کہ ”گل رحمت“ کے ساتھ ٹکلتے میں مداول دیوان تیار کر کے اس پر فارسی دیباچہ لکھ دیا۔ جب فنش دیوان کو آخری شکل دی تو دیباچے پر نظر ثانی کر کے تاریخ ۲۴ مئی قعدہ ۱۳۳۸ھ (۱۳ اپریل ۱۹۵۵ء) لکھ دی (ص ۶۷-۷۸)

ہانک رام صاحب کا یہ اصرار کہ تا کہ مداول دیوان کی اولین شکل ٹکلتے میں تیار ہو چکی تھی، مرتبے کی ایک ہانک ہونے پر اصرار معلوم ہوتا ہے جو مرثی صاحب کے نقوی مطالعے کے بعد بے بنیاد نظر آتا ہے۔ مداول دیوان بالیقین ”گل رحمت“ کا توام نہیں، اس کے بعد کا ہے۔

اب اس مضمون سے آگے بڑھ کر چند اور حفرق مطالعہ کو دیکھتے چلیں۔

۹۔ قطعی ہائے مطالعہ ”پہلو“ ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۳ء

اس میں سید قدس نقوی کے ایک مضمون کی اظہار کی تصحیح کی ہے۔

۱۰۔ غالب اور رقیب ”نقوش“ ۱۰ غالب نمبر حصہ اول ۱۹۶۸ء

”نقوش“ کے اس صحت بالشان شمارے میں ہانک رام نے محض ڈھائی صفحے کا یہ تنقیدی مضمون لکھا جو ان کے پاپے کے باہر غالبیات کو زیب نہیں دیتا۔ غالب صدی کے سال میں ان کے وقت اور قلم پر ہر طرف سے مطالعے ہو رہے تھے، شاید وہ ”نقوش“ کے لیے وقت بے نکال سکے۔

۱۱۔ غالب اور یو پی "غذر مقبول" ۱۰ جون ۱۹۰۱ء فروری

۱۹۰۱ء

غذر مقبول" مقبول احمد لاری کی خدمت میں پیش کی گئی۔ اس مضمون میں یوپی کی علمی اور معاشرتی زندگی میں غالب اور ان کے شاگردوں کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔

۱۲۔ غالب کی ایک نئی رباعی "تحریر" جلد ۵، شمارہ ۱۰۳، ۱۹۰۳ء

اس مختصر مضمون کے دو موضوعات ہیں۔ ہلک رام کے پاس فارسی دیوان غالب طبع اول ۱۸۳۵ء کی ایک جلد ہے۔ اس کے حاشیے میں غالب کے شاگرد جواہر سنگھ نے ایک فارسی غزل نقل کر کے اس کی ہمیرا دسمبر ۱۸۵۳ء درج کی ہے۔ یہ غزل پہلی بار کلیات غالب ۱۸۵۷ء (دیوان کی توسیع شدہ طبع دوم) میں ملتی ہے۔ دسمبر کے نوٹ سے اس کی ہمیرا تصنیف معلوم ہو گئی۔

اسی دیوان طبع اول کے آخر میں جوہر کے قلم سے غالب کی ایک نئی فارسی رباعی درج ہے۔ چونکہ غالب نے اسی موضوع پر ایک اور بستر رباعی لکھی ہے ۱۰ اس لیے شاید غیر مطبوعہ رباعی کو قلم زد کر دیا۔ عرش ملیانی نے "ارمغان ہلک" میں "نگارشات ہلک رام" میں اس مضمون کے حوالے سے جو نئی رباعی درج کی ہے ۱۰ وہ دراصل مطبوعہ رباعی ہے۔ وہ سوا غیر مطبوعہ نئی رباعی کی جگہ مطبوعہ رباعی نقل کر گئے۔

ہلک رام صاحب نے غالب سے متعلق دوسروں کی دو کتابوں کے مقالات بھی لکھے

۱۰ یہ ہیں،

فیروز بھاردی، "مرقعہ غالب" ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۹۵۸ء

زلیخا کمار شاہ، "مختصرات غالب" ۱۰، ۱۱، ۱۹۶۰ء

عرش ملیانی نے ہلک رام کے دو انگریزی مضمونوں کا بھی ذکر کیا ہے،

یہ دونوں مضمون حکومتِ ہند کی وزارتِ اطلاعات و نشریات کی فرمائش پر فروری ۱۹۴۹ء میں لکھے گئے۔ عرض کیجئے ہیں،

”ان مضمونوں کا ترجمہ دنیا کی پیش تر زبانوں میں ہوا تھا۔“

(اسٹین ٹک، ص ۳۰)

یہ یقیناً مبالغہ ہے۔ دنیا میں ہزاروں زبانیں ہیں۔ یہ گنا بستر ہوتا کہ ان مضامین کا ترجمہ دنیا کو، پیش تر اہم زبانوں میں ہوا۔

طالبیات پر ان کے تقریباً پچاس مضامین پر نظر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب کی زندگی اور تصانیف کے بارے میں تحقیقی معلومات کے اعتبار سے یہ مضامین ان کی مستقل کتابوں سے تھوڑے ہی جگے سہتے ہیں۔ ذیل کے مضامین اہل نظر۔ دو طلب ہیں،

۱۔ مرزا غالب (افشائی خاک)

۲۔ تاج محل و ولادت

۳۔ میرزا یوسف

۴۔ عبدالصمد، استادِ غالب

۵۔ نواب شمس الدین احمد خاں

۶۔ مقدمہٴ جشن کا عرضی و دعویٰ

۷۔ سکے کا الزام اور اس کی حقیقت

۸۔ غالب سے منسوب دوسرا سک

۹۔ دربارِ رام پور سے تعلقات

۱۰۔ کلامِ غالب میں معاشرتی عناصر

۱۱۔ دیوانِ اے۔و۔کی، کواد

۱۲۔ غالب کی فارسی تصانیف

۱۳۔ غالب کے فارسی قصیدے (کچھ نیا نام)

۱۴۔ ”مادرِ خطوطِ غالب“ پر ایک نظر

۱۵۔ سہرا دیوانی غالب نسخہ مرثی  
 اگر ملک رام غالب پر مستقل کتابیں نہ لکھ کر محض یہ معاین ہی تصنیف کر دیجے  
 تو یہ نابینا ادب میں ان کی جگہ عظام کے لیے کافی تھے۔

## حواشی

- (۱) "غالب" از عظام رسول مراد، بحوالہ خواجہ احمد فاروقی، مرکزہ غالب و حامیان  
 قسطنطنیہ "احوال غالب"، طبع دوم، ص ۱۳۳
- (۲) اوم پرکاش، بھارج، "ذکر غالب"، ایک مستند سوانح، "ملک رام، ایک مطالعہ"  
 ص ۳۹
- (۳) "بارخ دودر"، "شولہ ڈاکٹر" بہ معنی، الرحمن (مؤلف)، غالب بہ نئی سربایہ  
 (لاہور، فروری ۱۹۹۷ء)، ص ۱۰۰
- (۴) مالک رام صاحب کو یہ مضمون لکھنے کی یہ پاداش ملی کہ ان کی جھوٹکاری کے لیے امر ہے  
 سے "ٹکارشات" نام کا ایک بازاری پرچہ جاری کیا گیا جس کا خاص مقصد مالک رام  
 صاحب کی اور میری جھوٹ کرنا تھا۔

## چوتھا باب

# عروین اور ادارت

ہلک رام، دو کے قابل ذکر حقوں میں سے ہیں، لیکن ان کی اہم عروینات غالب سے متعلق نہیں، "کرمل کتھا" اور ابوالکلامیت میں ہیں۔ ان کی غالبیت کی عروینیں زیادہ عالمانہ نہیں۔ اگر ان کی کلیات غالب فارسی شائع ہو گئی ہوتی تو وہ اعلا معیار کا کام مانی جا سکتی تھی۔ ان کی جیسے عروینات غالب ان کی عروینات ابوالکلام کے پاس پہنچی نہیں۔ ذیل میں ان کا عین زمروں میں جائزہ لیا جاتا ہے۔

فارسی تالیفات - فارسی اردو مشترک تالیف - اردو تالیفات  
فارسی کی عروینات عین ہیں، دو مطبوعہ، ایک غیر مطبوعہ۔

## سہد چین

غالب کی فارسی مثنوی "ابر گہر بار" سہدہ میں کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ اس کے آخر میں دو قصائد اور کچھ قطعات وغیرہ شامل کر دیے گئے تھے۔ اس سے غالب کو خیال آیا کہ کلیات فارسی کی اشاعت کے بعد انھوں نے فارسی میں جو متفرق کلام کہا ہے، اسے بھی شائع کر دیا جائے۔ دو مثنویوں سے لے کر جمع کیا۔ زوال صحت کی وجہ سے اسے باقاعدہ ترتیب دینے کی ہمت نہ کر سکے۔ جس طرح ملا تھا، اسی طرح بے ترتیبی سے "سہد چین" کے نام سے اگست ۱۸۶۷ء میں شائع کر دیا۔ وہاں سے غالب نے اس نام کے یہ معنی لکھے ہیں،

"سہد چین" میوہ راگیند کہ پایان موسم بر خاکسار ماند و چوں آبل را بجینند  
خاکسار بے بار ماند۔"

وزیر الحسن عابدی نے بھی یہ کتاب مرقب کی۔ وہ اس کے معنی یوں لکھتے ہیں،  
 "سہ چین (اس رب مفتوح و ساکن) ترکیب اخلاقی نہیں ہے۔ مصدر  
 چین سے اسم مفتول سماوی ترکیبی ہے، یعنی میوہ چیدہ درسد، یا پکا کچھا  
 ٹوکی بھر پھل جو فصل غنم ہونے پر رہ جاتا ہے۔ یہی معنی غالب نے اپنے  
 دیباچے میں بتائے ہیں۔"

ملک رام کے مطابق "سہ چین" طبع اول ۱۸۶۷ء میں ۴۵۵ شعر ہیں ("ذکر غالب"  
 طبع ختم، ص ۱۵۵)۔ وزیر الحسن عابدی کا کہنا ہے کہ یہ تعداد اصل میں ۴۵۳ ہے  
 ("سہ چین"، لاہور ۱۹۹۹ء، ص ۱۰۳، نکلوانہ معین الرحمن، ص ۱۲۳)  
 ملک رام کو ۱۹۳۹ء میں "سہ چین" دیکھنے کا شوق ہوا۔ طبع اول ضایت دادر تھی  
 انھیں صدر یاد جنگ کے کتب خانے میں اس کا پتا چلا۔ انھوں نے نواب صاحب کو  
 لکھا کہ یہ کتاب انھیں مستطاب دے دی جائے۔ اس پر نواب صاحب نے ایک کاغذ  
 سے اس کی نقل کرا کے ۱۹۳۹ء میں بیچ دی۔ چونکہ نقل میں بہت سی غلطیاں تھیں  
 اس لیے ملک رام خود علی گڑھ گئے اور نقل کی تصحیح کی (اکالی داں گپتا، "ملک رام"  
 ص ۳۱)۔ ملک رام نے اسے ۱۹۳۹ء میں شائع کر دیا۔ صیغہ گنج سے انھیں غالب کی  
 تصویر بھی ملی تھی، وہ بھی اپنے نسخے کی اجا میں شامل کر دی۔

ملک رام کا ایڈیشن طبع اول کاشفی نہیں بلکہ ترمیم و اضافہ کے بعد تیار کیا گیا ہے  
 اس کے دو خاصائص ہیں،

۱۔ طبع اول میں کلام بے ترتیب تھا، طبع دوم میں مرقب نے صنف دار سلطے سے  
 مرقب کر دیا ہے۔

۲۔ کلیات کے باہر جو کلام مختلف کتابوں میں منتشر پڑا تھا اور کسی مجموعے (بشمول  
 "سہ چین"، طبع اول) میں شامل نہیں ہوا تھا، اسے بھی طبع دوم میں شامل کر لیا  
 ہے۔

"سہ چین" طبع اول میں ایک فہرست مجموعہ رباعی تھی، ملک رام نے طبع دوم میں



اسے حذف کر دیا ( ”ذکر غالب“، طبع مخم، ص ۱۲۱)۔ ملک رام نے اپنے ایڈیشن کے اشعار کی تعداد ۸۳۳ لکھی ہے (ایضاً ص ۱۵۷)۔ معین الرحمن کے مطابق واصل کل ۸۰۸ شعر ہیں۔ میں نے بھی شمار کیا اور ۸۰۸ ہی پائے۔ معین الرحمن کے مطابق ملک رام کو اس لیے سو ہوا کہ ص ۵۳ کے حاشیے میں کسی دوسرے شاعر کا ۱۳ شعروں کا قطعہ درج ہے۔ اس کے اشعار کو بھی شامل کر لیا ہو گا (علمی سرلیہ، ص ۳۶-۳۵) لیکن یہ اشعار ملا کر بھی ۸۱۱ ہوتے، ۸۳۳ نہیں۔

اگر طبع اول میں ۵۳۷ شعر تھے جن میں سے ایک رباعی کے دو شعر سوخت کر دیے گئے اور طبع دوم میں ۸۰۸ شعر ہیں تو طبع دوم میں ۵۷ شعروں کا اضافہ ہوا، مرقب کو چاہیے تھا کہ اضافہ شدہ اشعار اور ان کے تآخذ کی نقابان دہی کرتے۔

اس کتاب پر ملک رام نے محض ایک صفحے کا دیباچہ لکھا ہے جو ناکافی ہے۔ اس کے ساتھ انھوں نے غالب کی جو مفصل سوانح لکھی تھی، اسے طالعہ کر کے ”ذکر غالب“ کے نام سے چھاپ دیا۔ ”سہ چمن“ کی عیسوی اشاعت وزیرالحسن عابدی نے لاہور میں ۱۹۶۸ء میں کی۔

## دو حنبو

صد سالہ یادگار غالب کمیٹی دہلی نے فروری ۱۹۶۸ء میں غالب کی تصنیف ”دو حنبو“ شائع کی۔ اس میں کسی مرقب کا نام نہیں دیا۔ رشید حسن علان کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ یہ ملک رام صاحب کی مرتبہ تھی، گو اس پر ان کا نام درج نہیں تھا۔ میں نے اس کی تصدیق اور تفصیل کے لیے ملک رام کو لکھا۔ انھوں نے ۵ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو ایک خط میں مجھے یہ معلومات دیں۔

”صد سالہ تقریبات کے موقع پر ’دو حنبو‘ کا جو ایڈیشن شائع ہوا، وہ میرا ہی مرقب کردہ تھا اور اس کے متن کی تصحیح میں بہت محنت کرنا پڑی تھی، لیکن چونکہ میں نے اس پر نہ مقدمہ لکھا تھا، نہ کچھ اور اضافہ کیا، میں نے اپنا نام اس پر نہیں دیا تھا۔ ”دو حنبو“ کے متن کے تعین کے لیے میرے پاس غالب

کی زندگی کے دونوں ایڈیشنوں کے علاوہ کلیاتِ نادری نثر کا مکمل ایڈیشن اور ایک قلمی نسخہ تھے۔ یہ آخری نسخہ غالب کا اپنا نسخہ تھا۔

ملک رام نے قن کی تصحیح میں اتنی محنت کی۔ یہ انھیں کی ناکامی ہے کہ چونکہ اس پر کوئی مقدمہ نہیں لکھا تھا، اس لیے اپنے نام کو مٹا دیا۔ "ملک رام، ایک مطالعہ" اور "ملک نامہ" کے آخر میں حبیبہ بانو کی مرقب کردہ جہ "توقیت ملک رام" دی ہے۔ اس میں مرقب کردہ کتابوں کی فہرست ہے۔ ان میں "دخنبو" شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فہرست ملک رام صاحب کے مکتوب سے حیدر کی گئی ہو گی، اس میں انھوں نے "دخنبو" اور "بادگار غالب" کو شامل نہ ہونے دیا۔

ان کی مرتبہ "دخنبو" کے شروع میں شیروانِ اہرام کے مطبع مغیرہ طائفی آگرہ کی طبع اول کا سرودق ہے۔ اس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ یہ ایڈیشن "دخنبو" کی طبع اول کا عکس ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔ طبع اول میں قصیدہ برگزیدہ جدا میں ہے اس کے بعد قن شروع ہوتا ہے، طبع دوم میں قن کے بعد قصیدہ اور پھر قطعہ در بیان ردھنی دہلی ہے۔ مرقب کو دہاپے میں واضح کرنا چاہیے تھا کہ وہ "دخنبو" کے کس ایڈیشن کو عکس کر رہے ہیں۔ میرے استفسار پر کالی داس گپتا رستائے مجھے بتایا کہ ملک رام کے پاس "دخنبو" کا ایک بیٹا بھٹوٹ تھا جس کے حواشی بلاشبہ غالب کے قلم سے ہیں۔ اب یہ نسخہ کالی داس گپتا کے پاس آگیا ہے۔ ملک رام کے ایڈیشن میں اسی کی تحریب برقرار رکھی ہے۔ ان کے ایڈیشن میں سرودق کے بعد کے صفحے پر چند سطور میں مختلف (غالب) کا نام، تخلص، ولادت و وفات اور مدفن اور اس کے نیچے غالب کی تصانیف، اردو، نادری اور انتخابات کے نام ہیں۔ ان میں کچھ ایسے نمونے شامل ہیں جو بیسویں صدی میں مرقب ہوئے۔ ملک رام نے محض ان نمونوں کے نام دیے ہیں، مرتبین کے نہیں۔ ایسے نمونے حسب ذیل ہیں جن کی تفصیل میں قوسین میں درج کرتا ہوں:

مکاتیبِ غالب (مرتبہ مولانا عرشی، ۱۹۳۷ء)۔ نادرانِ غالب (مرتبہ آفاق حسین آفاق

کراچی، ۱۹۳۹ء۔ انتخاب غالب (عبدالرزاق راشد، حیدر آباد، ۱۹۴۶ء)۔ انشائے غالب (غیر مطبوعہ، مرتبہ غالب، ۱۸۶۵ء کے نگ بھگ، نسخہ مملوکہ عبداللہ صدیقی)۔ (۲)۔  
ان میں سے بعض مجموعوں کے ساتھ مرقب کا نام یا دیگر تفصیلات نہ دی جاسیں تو انہیں کون شناخت کر سکتا ہے، مثلاً رقعۃ غالب، انتخاب غالب، انشائے غالب کو۔  
اردو تصنیفات میں "نکات غالب" و "رقعات غالب" کو بھی شامل کیا ہے۔ دونوں کے نام کے بیچ "کا" لگانا سب کا حق ہونا چاہیے۔ یہ دو طالعہ رسالے ہیں جنہیں غالب نے ایک ساتھ فروری ۱۸۶۷ء میں شائع کرایا۔ معین الرحمن کی کتاب سے ان کا تعارف درج کیا جا رہا ہے۔

"نکات غالب" ۲۰ صفحے، "بیچ آہنگ" کے آہنگ دوم کا اردو ترجمہ معمولی حدیثوں کے ساتھ "رقعات غالب" ۱۷ صفحے، "بیچ آہنگ" سے منتخب ۱۵ فارسی خطوط (ص ۱۳۳)۔

چونکہ یہ دونوں رسالے "بیچ آہنگ" سے ماخوذ ہیں، اس لیے مختصر فہرست میں ان کے نام دینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اگر نام دینے ضروری تھے تو "رقعات غالب" کو اردو کے نہیں، فارسی کے ذیل میں دینا تھا۔ اگر حیات غالب کے بعد کے چند مجموعوں کے نام دیے ہیں تو ایسے دوسرے مجموعوں کے بھی دینے چاہئیں، مثلاً:

"مسترقعات غالب"، مرتبہ سید مسعود حسن رضوی، رام پور، ۱۹۳۷ء۔ جہزنگ غالب،  
مرتبہ مولانا عرشی، ۱۹۳۷ء۔ "آثار غالب" (بعد میں نام "آثار غالب") از قاضی عبدالودود  
۱۹۳۷ء۔ "غالب کی نادر تحریریں" از خلیق النجم، ۱۹۴۸ء۔

دراصل کتاب کے شروع میں دو چار صفحات کا دیباچہ ضروری تھا جس میں غالب کی دوسری تصانیف نہ دئے کر "دخنبو" کی شان نزول بیان کی جاتی۔ قرآن کتاب کی شروعات ایک شعر سے ہوتی ہے جو یوں چھپا ہے،

ہم خداوند پرچہ کر  
مہ و سرساز و روز و شب گر

دوسرا مصرع وزن اور کلیف دونوں کے اعتبار سے ناقص ہو جاتا ہے ۔ صاف ظاہر ہے کہ یوں ہونا چاہیے ، ” سر و سر سبز و شب و روز گر “ ۔ میرے اختلاف پر کلی واس ہو گیا ۔ نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۹۳ء میں بتایا کہ تمام مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں ” شب و روز گر “ ہی ہے ۔ مرقب یا کاقب کے سو سے صدیقی کے ایڈیشن میں ” روز و شب گر “ چھپ گیا ۔ کتاب کے سرورق پر اس کی زبان کے لیے لکھا ہے ” بزبان فارسی قدیم بے اسیرش لفظ عربی “ ۔ ملک رام نے ” ذکر غالب “ طبع دوم میں ” دہخوبو “ کی خصوصیات میں یہ بات دہرا دی ۔ کاظمی عبدالودود نے اپنے تبصرے میں ملک رام سے پوچھا کہ وہ الفاظ ذیل کا غلط پڑی ہونا ثابت کریں ،

جلو ۱۰ ، ماتم ۱۱ ، بھمل ۱۲ ، تھلا ۱۳ ، نام ۱۴ ، اردو ۱۵ ، میگڑیں ۱۶ ، جزر ۱۷ ، فرناش ۱۸ ، پورش ۱۹ ، نوکری ۲۰ ، تراج ۲۱ ، (اردو تحقیق اور ملک رام ، ص ۱۲۱)۔

مضمر الرحمن مطلق کرتے ہیں کہ سید جمیل الدین نے اپنے چار قسطی مقالے ” دہخوبو کا ایک خاص نمونہ “ میں کچھ عربی کلمات کی مثال دی ہے ،

ماتم ، زمزمہ ، شرر ، صاحب ، کلو ، کیسہ ، غوطا ، خنجر ۔

ان میں سے بعض الفاظ بظاہر فارسی کے ہیں لیکن ان کی اصل عربی ہے ۔

ملک رام نے ” ذکر غالب “ طبع پنجم میں پہلی دو اشاعتوں کے بیان میں ترمیم کر کے یوں لکھا ،

” اس میں انھوں نے ٹھٹھ پڑی زبان لکھنے کی کوشش کی ہے جس میں

عربی کا کوئی لفظ استعمال نہ ہو ، سوائے ناموں کے کہ انھیں جوں کا توں لکھنے

پر وہ مجبور تھے پھر بھی بعض عربی لفظ لگتے ہیں ، مظا زمزمہ ، صاحب ، ماتم ،

ہوا ، نواب ، چادر ، کلکوہ وغیرہ “ ۔ ( ص ۱۵۵ )

بہتر ہوتا کہ یہاں ملک رام اعتراف کر لیتے کہ انھوں نے ان الفاظ کی شناخت کن کے جہروں کے بعد کی ہے ۔

قدیم فارسی کی پابندی کی وجہ سے اس کتاب میں بہت اجنبی الفاظ استعمال کرنے

ہے۔ ملک رام کے ایڈیشن میں ہر صفحے کے ٹٹ ٹوٹ میں ایسے چند الفاظ کے معنی درج کر دیے ہیں۔ حیات غالب کے "دخنبو" کے ایڈیشنوں میں یہ فرہنگ نہ تھی مکتوبات مرثیہ غالبؒ ۱۸۶۸ء میں جو "دخنبو" شامل تھی ۱۰ اس میں پہلی بار چار سطحوں پر "دخنبو" کے مشکل الفاظ کی فرہنگ ملتی ہے (معین الرحمن، ص ۳۰۰)۔ کالی داس گپتا رحمان نے مجھے بتایا کہ کلیات میں فرہنگ متن کے آخر میں ہے اور حروف حقی کے اعتبار سے ہے، جبکہ ملک رام کے مخطوطہ "دخنبو" میں ہر مشکل لفظ کے معنی متن کے ساتھ چلے ہی ہیں۔ بخلاف دیگر۔ درج ہیں۔ ملک رام نے اسی کی نقل کی ہے۔ اس طرح محسوس ہوتا ہے کہ ملک رام کو ایک دیباچہ لکھ کر کئی امور واضح کرنے چاہیں تھے۔ انھوں نے "دخنبو" پر الگ سے ایک مضمون لکھا جو "آج کل" فردوسی ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا۔ بعد میں یہ ان کے مجموعے "تحقیقی مضامین" ۱۹۳۷ء میں شامل ہوا، اسی کو قدرے اضافے کے ساتھ اپنے ایڈیشن کا دیباچہ بنا سکتے تھے۔ اس مضمون میں "دخنبو" کے کئی ایسے بیانات کی طرف توجہ دلائی ہے جو صحیح نہیں اور جنھیں غالب نے قصداً رنگ آمیزی کر کے بیان کیا ہے۔

### کلیات غالب فارسی یا دیوان غالب فارسی غیر مطبوعہ

ملک رام نے اپنے مجموعے "تحقیقی مضامین" کے پہلے مضمون "غالب کے فارسی قصیدے (کچھ نیا کلام)" کی ابتدا ان جملوں سے کی ہے،

"بہت دن ہوئے میں نے غالب کا فارسی دیوان مرقب کیا تھا، اس کے لیے میں نے گہرہ نیچ استعمال کیے تھے، (۱) خلی اور دو ان کی زندگی کے مطبوعہ نیچ۔ افسوس کہ ایک مرحوم سرہان کے کرم کے صدقے یہ شائع نہ ہوا۔ خیر، یہ دوسرا قسط ہے۔" (ص ۱۱)

میں نے نومبر ۱۹۸۶ء میں ایک ملاحظہ میں ملک رام سے دریافت کیا کہ آپ اپنی مرقبہ مکتوبات غالب فارسی "کیوں نہیں شائع کرتے۔ انھوں نے انکشاف کیا کہ ایک نندہ ہوا قاضی عبدالودود ان کا مرقبہ کردہ مسودہ یہ کہہ کر لے گئے کہ وہ اسے شائع

کر دیں گے۔ اس کی چند غزلیں شائع کیں، اس کے بعد خاموش ہو گئے۔ دس سال بعد مستودہ اس شکل میں واپس کیا کہ اس کے بیچ میں سے ۳۰ اوراق (یا صفحات) غائب تھے۔ مسم یہ تھا کہ معذرت یا انوس کا ایک لفظ نہ لکھا۔ ملک رام سمجھتے تھے کہ اب میری ہمت نہیں کہ جملہ تانہ فرام کر کے از سر نو ان اوراق کو ترتیب دےں۔ ناقص الوسط کتاب کو شائع نہ کر سکتے تھے۔

ایک عہتی سے امید کی جاتی ہے کہ وہ محکومات، بالخصوص دوسروں کے مستودت کی دل و جاں سے حفاظت کرے گا نہ کہ کھلی بے نیازی سے انھیں تلف ہونے دے گا۔ ملک رام کا طرف دیکھیے کہ کسی تحریر میں اس ادبی اطفال کا شکوہ تو درکنار، ذکر بھی نہیں کیا۔ معلوم نہیں، اب یہ ناقص الوسط نسخہ کہاں ہے، کم از کم کالی داس گپتا کو نہیں ملا۔

## اردو فارسی مشترک حدودین

گلی رحمتا

غالب نے لکھتے ہیں اپنے اردو فارسی کلام کا انتخاب "گلی رحمتا" کے نام سے کیا تھا لیکن وہ گم ہو گیا۔ حسرت مہانی کے پاس کچھ اوراق تھے، لیکن ۱۹۵۱ء میں ان کے انتقال کے بعد ان کا بھی کچھ پتا نہ چلا۔ ۱۹۵۷ء میں ملک رام کو اس کا مکمل نسخہ اپنے افسر اساعیہ نقی بلگرامی سے ملا۔ یہ عہد الملک سیہ حسین بلگرامی کے ہوتے تھے اور یہ محکومت حیدرآباد میں عہد الملک کے کتب خانے میں تھا۔ عہد الملک کے دادا مولوی سید کرم حسین لکھتے ہیں شاہ اودھ کی طرف سے گورنر جنرل کے یہاں سفیر تھے۔ غالب نے چکنی ٹلی کا لکھنا انھیں کی فرمائش پر کیا تھا۔

مرثی صاحب نے ملک رام سے اس نسخے کا عکس لے کر اپنے مرتبہ نسخہ مرثی (۱۹۵۸ء) کے مقدمے میں اس کا تعارف کرایا اور اختلاف نفا کے لیے اس کے متن کا بھرپور استعمال کیا۔ ملک رام نے "نگار" جولائی ۱۹۶۶ء میں اس کے فارسی حصے کا اور

”نذر واکر“ ۱۹۶۸ء میں اس کے اردو حصے کا تعارف کرایا۔ حسن انقلاب سے ۱۹۶۹ء اور اس کے کچھ بعد لاہور میں ”گل رحمت“ کے دو مکمل نسخے اور ایک ناقص انتخاب دریافت ہو گئے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

- ۱۔ ”گل رحمت“ کا مکمل نسخہ بحوالہ غالب ۱۹۸۸ء، مملوکہ خواجہ محمد حسن۔ ڈاکٹر سید معین الرحمن نے اپنی کتاب ”اشاریہ غالب“ (فروری ۱۹۹۹ء) میں اس نسخے کا تعارف اور چار متفرق سطحوں کا عکس شائع کیا۔ بعد میں یہ دونوں چیزیں ”غوث“، غالب نمبر حصہ دوم، اکتوبر ۱۹۹۹ء میں بھی شائع ہوئیں۔ محفوظ کے وہلے کے آخر میں تیسرا غزوہ رنج الدولہ ۱۷۳۳ء چڑی ہے، یہ مطابق ہے ۱۱ ستمبر ۱۷۳۸ء کے۔ یہی ”گل رحمت“ کی تیسرا تالیف قرار پاتی ہے، (”غالب کا علمی سرمایہ“، ص ۳۷۹-۳۸۰)۔
- ۲۔ دوسرا مکمل نسخہ صغیر بلگرامی کے پوتے دسی احمد بلگرامی کے پاس تھا۔ انھوں نے اسے مشفق خواجہ کو دے دیا جنھوں نے اس کی تہذیب کا کام سید قدرت نقوی کے سپرد کیا۔ نقوی صاحب نے اس کا تعارف رسالہ ”اردو“ کراچی شمارہ جنوری تا مارچ ۱۹۷۱ء میں کرایا۔ بعد میں اس کا متن انجمن ترقی اردو پاکستان سے ۱۹۷۵ء میں کتبلی شکل میں شائع ہوا۔

۳۔ ناقص اور ناقص نسخہ مملوکہ حکیم محمد نبی خان جہاں سودا (تیسرا حکیم، اجمل خان) مکتوبہ قاضی عزت اللہ دہلوی۔

سب سے علم کی حد تک ”گل رحمت“ کے مطبوعہ ایڈیشن مین ہیں،

۱۔ مرتبہ ملک رام دہلی، مئی ۱۹۷۰ء

۲۔ مرتبہ ذریعہ حسن عابدی، لاہور۔ اس پر تیسرا طباعت دسمبر ۱۹۶۹ء درج ہے لیکن اس کی واقعی اشاعت ۱۹۷۰ء کے آخر میں ہوئی (معین الرحمن، ص ۳۸۰)۔ معین الرحمن کے مطابق یہ کسی خاص نسخے پر مبنی نہیں بلکہ کئی جگہ سے استفادہ کر کے تیار کیا گیا ہے۔

۳۔ مرتبہ سید قدرت نقوی۔ یہ دسی احمد بلگرامی کے نسخے کو پیش کرتا ہے۔ یہ اردو رسالہ ”اردو“ جنوری تا مارچ ۱۹۷۱ء سے قسط وار چھپنا شروع ہوا۔ ۱۹۷۵ء میں یہ کتاب

صورت میں شائع ہوا۔

ڈاکٹر سید معین الرحمن نے اپنی کتاب "غالب کا علمی سرمایہ" میں اس نسخے کی تفصیل ص ۴۷۵ سے ۴۸۱ تک دی ہے۔ ان کے جہول انھوں نے اس کے محض چار صفحے "اشعار غالب" اور "قہقش" میں طبع کرائے تھے۔ انھوں نے جیسے متن کی طباعت کا ذکر نہیں کیا، لیکن مالک رام اپنے "گلِ رحمت" کے مقدمے میں نسخہ محمد حسن کے لیے لکھتے ہیں:

"حسن اتفاق سے اس کے متن کے مطبوعہ صفحات مجھے اس کتاب کے مطبع میں بھیجے جانے سے پہلے دیکھنے کو مل گئے چنانچہ حاشی میں جن حرف 'ل' ہے، اس سے یہی قلمی نسخہ لادور کے مطبوعہ صفحات مراد ہیں۔"

(مقدمہ "گلِ رحمت" ص ۵۷۱)

اختلاف نسخ کے حاشی میں اس نسخے "ل" کا اس کثرت سے حوالہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے پورا متن شائع ہوا ہے۔ مطبوع یہ ہوتا ہے کہ مالک رام نے وزیر الحسن عابدی ایڈیشن کے مطبوعہ صفحات دیکھے ہیں اور انھیں خواجہ محمد حسن کے نسخہ بحوالہ غالب کی مطبوعہ شکل کچھ لیا ہے، لیکن معین الرحمن کے مطابق ایسا نہیں ہے۔ کللی داس گپتا کے مطابق بھی خواجہ محمد حسن کا نسخہ شائع نہیں ہوا۔ اب صورت حال یہ ہوئی کہ "گلِ رحمت" کا مکمل نسخہ سب سے پہلے مالک رام کے ہاتھ لگا، لیکن اس کا تعارف اور اشعار کی تفصیل عرشی صاحب نے نسخہ عرشی ۱۸۵۸ء میں پیش کی۔ "گلِ رحمت" کی اشاعت دہلی اور لاہور دونوں جگہوں سے ۱۸۶۰ء میں ہوئی گو عابدی کے ایڈیشن میں ہمیرج اشاعت دسمبر ۱۸۶۸ء درج ہے۔ اگر مالک رام ۱۸۵۷ء سے بارہ حیرہ سال تک اس نسخے کو لیے نہ بیٹھے رہتے تو اس کے تعارف اور اشاعت کی اولیت کا لحاظ نہیں مل سکتا تھا۔

مالک رام کے حیدر آبادی نسخے کے شروع میں جو فارسی نثری دیباچہ ہے، اس کے آخر میں تاریخ کتابت یوں دی ہے، "محرمہ، نم ہوال، ۱۰ بھی" گویا صدی کا عدد ہے دہائی اور اکائی کے نہیں۔ اب مالک رام صاحب سنیں جس طرح طے کرتے ہیں، ان کا



ظاہر یہ ہے۔

چونکہ کرم حسین گلشن میں غالب کے ہم فطین تھے، اس لیے غالب نے "گل رحمت" جیوں ہی مرقب کی ہو گی، انھوں نے اس کی نقل لے لی ہو گی۔ خواجہ محمد حسن کے نسخے کے آخر میں تاریخ غرہ ربیع الاول ۱۲۳۳ھ (یعنی ۱۱ ستمبر ۱۸۱۸ء) درج ہے۔ نمونہ ملک رام کے کاتب نے اپنی کتابت کی تاریخ لکھنی چاہی ہو گی نہ کہ نسخہ منقول عدد کی۔ "اگر میرا قیاس درست ہو تو یہ زیر نظر نسخہ حوالہ ۱۲۳۳ھ کا کتابت کردہ ہے۔ سال تحریر کی عدم تکمیل غالباً قیاس ہے کاتب کے سال ہجری سے ہوا تقویت کا" (مقدمہ ص ۲۰)

اب دوسری طرف کاتب نے قلمی نسخے کے خاتمے کی مٹر کے اختتام میں لکھا ہے :  
 "محرر اسد اللہ، محرر دوم محرم الطرام" اور اس کے بعد جلی عنوان ہے "عائدہ دیوان فارسی" لیکن اس کے آگے عائدہ دیوان فارسی کی عبارت نہیں دی (مقدمہ ص ۲۰)۔  
 سیخ آہنگ "مطبوعہ ۱۸۵۲ء اور "کلیات مٹر غالب" مطبوعہ ۱۸۶۸ء دونوں میں یہی صورت ہے کہ "گل رحمت" کے خاتمے کی مٹر کے بعد یہی الفاظ ملتے ہیں : "محرر اسد اللہ، محرر دوم محرم الطرام، عائدہ دیوان فارسی" (معین الرحمن، ص ۸۰)۔ اس سے قیاس لگتا ہے کہ کاتب نے "گل رحمت" کے خاتمے کی فارسی مٹر کلیات مٹر کے کسی قلمی یا مطبوعہ نسخے سے نقل کی ہے۔ ملک رام کہتے ہیں، "چونکہ کلیات مٹر فارسی کے کسی نسخے میں نگل رحمت کا متن نہیں ملتا، اس لیے یہ قیاس درست نہیں ہو گا" (مقدمہ ص ۲۰)۔  
 ملک رام اس فقرے "عائدہ دیوان فارسی" کی کوئی تبویل نہ کر سکے اور بات بیچاؤ آدمی میں چھوڑ دی۔ سید قدرت نقوی نے رسالہ "اردو" گراچی شمارہ ۱۰۱، ۱۹۵۰ء میں ملک رام کے نسخوں کی تاریخ حوالہ ۱۲۳۳ھ پر اعتراض کیا۔ یہ مبینہ ۱۸۱۹ء میں آتا ہے غالب کا دیوان فارسی پہلی بار "سے خانہ آرزو سراپاجام" کے نام سے ۱۲۵۵ھ میں مرقب ہوا۔

ڈاکٹر معین الرحمن کہتے ہیں کہ "گل رحمت" کے نسخہ بخیر غالب (نسخہ محمد حسین) اور ملک رام کے نسخے کے اختلافات کے پیش نظر یہ طے ہو چکا ہے کہ نسخہ ملک رام غالب

کے خفی نسخے کی نقل نہیں، اگر ہوتا بھی تو یہ کیوں لازم ہے کہ نسخہ ملک کے کاتب نے لازماً اسی سال ۱۲۳۳ھ میں نقل کیا۔ اگر اس سے نقل کرے تو اس کے سبب بھی سے بلاواقفیت کا کیا سوال ہے۔ اس کے علاوہ ان دنوں معاشرے میں بھی سہی رائج تھا۔ کاتب اس سے بلاواقف کیونکر ہو سکتا تھا (اعلیٰ سرلیہ، ص ۱۳۳)۔ سید قدرت نقوی نے رسالہ ”اردو“ کراچی شمارہ ۱۰۱، ۱۹۷۱ء میں ملک رام کے نسخے کی تاریخ حوالہ ۱۲۳۳ھ قبول نہیں کی اور اس کے رد میں مختلف دلائل دیے جن سے معین الرحمن بھی کم و بیش حائل ہیں۔

کاتب نسخہ ملک ملتے میں ”خانہ دیوان فارسی“ کا قلم لکھتا ہے۔ یہ دیوان سب سے پہلے ۱۸۳۵ء میں مرتب ہوا۔ یہ پکا ثبوت ہے اس بات کا کہ نسخہ ملک رام ۱۸۳۵ء یا اس کے بعد کا مکتوب ہے۔ ”گلِ رعنا“ کے اصلی خفی نسخے بھلہ غالب کی مژخانہ اور نسخہ ملک کی مژخانہ میں بہت اختلاف ہے۔ نسخہ ملک کی مژخانہ لفظ بہ لفظ ”بچ آہنگ“ اور ”کلیات مژگانہ“ میں مشمولہ مژخانہ سے ملتی ہے، اس لیے یہ انھیں کے قلمی یا مطبوعہ نسخے سے نقل کی گئی ہو گی، یا پھر ”گلِ رعنا“ کا کوئی ایسا نسخہ ہو سکتا ہے جس میں ”خانہ دیوان فارسی“ کا جلی عنوان لکھ دیا، اس کے آگے نقل کرنے سے روک دیا گیا ہو گا (اعلیٰ سرلیہ، ص ۱۳۶)۔ اس طرح اس نسخے کی کتابت ۱۸۳۵ء اور ۱۸۸۲ء کے بیچ کسی وقت ہوئی ہو گی۔ ۱۲۹۹ھ مطابق ہے ۱۸۸۲ء کے (ایضاً ص ۱۳۷-۱۳۸)۔

سید قدرت نقوی کے دلائل وزنی ہیں۔ سید قدرت نقوی نے ملک رام پر تصور نیت کا الزام لگایا ہے کہ انھوں نے قصداً اپنے نسخے کو نسخہ غالب کی نقل اور اسی عہد کا کتابت شدہ قرار دیا (ایضاً ص ۱۳۵)۔

ملک رام کا محفوظ ”گلِ رعنا“ اب کبلی داس گپتا رضا کی ملکیت ہے۔ میرے استفسار پر انھوں نے اس کے بارے میں حسب ذیل اہم معلومات ہم پہنچائیں۔

میری رائے میں اس محفوظے میں دیباچہ اور انتخاب کلام اردو و فارسی غالب کے زیر نظر تیار کی گئی آخری روایت کی نقل ہے۔ یہ نقل ۱۸۳۵ء کے بعد پایہ تکمیل کو

پہنچی مگر روایت اس سے بہت پہلے مرقب ہو گئی ہو گی، کیونکہ۔

۱۔ اس میں کچھ اشعار بڑھا دیے گئے ہیں اور کچھ کم کر دیے گئے ہیں پہلی دونوں سے۔

۲۔ اس میں "آشتی ہار" اور خاتمہ "گل رعنا" شامل نہیں کیے گئے۔ قیاس ہے کہ غالب ان ہر دو کو شامل کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔

۳۔ اس میں دیباچہ نہیں لکھا وہ نہیں ہے جو "بیچ آہنگ" قلمی میں ہے (کیونکہ یہ دیباچہ "گل رعنا" مشمولہ "بیچ آہنگ" قلمی کی نقل نہیں ہے بلکہ غالب کا ترمیم کردہ آخری متن ہے)۔

۴۔ نقل کرنے والے نے جب یہ مخطوط تیار کیا تو آخر میں خاتمہ "گل رعنا" بھی "بیچ آہنگ" قلمی کو سامنے رکھ کر نقل کر دیا، کیونکہ مخطوطے کے خاتمہ "گل رعنا" کا حرف حرف "بیچ آہنگ" قلمی کے خاتمہ "گل رعنا" کے مطابق ہے۔ اس کے بعد یہ ماکہ "بیچ آہنگ" قلمی میں ہے، اس نے عنوان "خاتمہ دیوان فارسی" لکھا ہی تھا کہ اسے اپنی نقلی کا احساس ہوا اور اس نے قلم دیں روک دیا۔

۵۔ جب معین الرحمن اور قدوس نقوی کے معائنہ شروع ہوئے تو میں نے ایک دلدہ مالک رام سے گفتگو کی تھی اور کہا تھا کہ بہت بات کی سے دیکھنے کے بعد ضم حوالہ ۳۵ کے بعد بہت دھندلا سا ۵۶ء لکھا ہوا لگتا ہے اور ۵۷ء یہ مخطوط ضم حوالہ ۵۶ء کو لکھا گیا ہو گا یعنی نقل کیا گیا ہو گا۔ انھوں نے جتنی صد سالہ نکالی اور کہا کہ "یہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے، اس روز صبح بھی تھا"۔ یہ مطابق ہوا ۳ دسمبر ۱۳۵۳ء کے (میرے عام مکتوب، مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۳۳ء اس خط سے دو مفید معلومات ملتی ہیں)۔

۱۔ مالک رام کا مخطوطہ "گل رعنا" مخطوطہ نواجہ محمد حسن کے بعد کی وہ ترمیم شدہ روایت ہے جو خود غالب نے تیار کرائی۔

۲۔ یہ مخطوطہ ۳ دسمبر ۱۳۵۳ء کا مکتوب معلوم ہوتا ہے۔

مالک رام کا "گل رعنا" کا ۳۵ سطحوں کا مقدمہ بہت سیر حاصل ہے۔ اس کی ابتدا میں غالب کے قیام کلکتہ، وہاں کے ادبی ماحول اور صاحب فرمائش "گل رعنا"

سراج الدین احمد کا حکرہ ہے۔ اس کے بعد اپنے نیچے کی درپخت، سر سید نقی بلگرامی کے دادا بکے دادا سید کرم حسین کے حالات ہیں، پھر نیچے کی تفصیل ہے۔ مقدمے کی فصل نمبر ۷ میں ملک رام نے کئی خط فیسوں کا ازالہ کیا اور بتایا کہ غالب نے "اسد" متخلص چھوڑ کر "غالب" متخلص کب اختیار کیا۔ آزاد نے جو کچھ ہے کہ غالب کے متداول دیوان کو مولوی فضل حق اور مرزا عانی کو تو مال شردہلی نے انتخاب کیا، اسے ملک رام افسانہ طرازی قرار دیتے ہیں کیونکہ مولوی فضل حق فاضل وینیات تھے، فاضل ادب نہیں۔ مرزا عانی کو تو مال شردہ قیل کے جگرو تھے۔ انتخاب خود غالب نے کیا۔ آزاد نے غالب کو مخطون کرنے کے لیے یہ افسانہ گڑھا تھا۔ ملک رام نے یہی بات اپنے مضمون "دیوان اردو کی کہانی" مشمولہ "گفتار غالب" میں دہرائی ہے۔

بعض نقد اس بات پر مبنی ہیں کہ غالب ابتدا میں مشکل خیالات مشکل زبان میں ادا کرتے تھے، بعد میں میر کے اثر سے آسان گوئی اختیار کی۔ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔ ملک رام نے ان کی متعدد مشہور آسان غزلوں کی نشان دہی کی جو ابتدا میں مخطوطوں میں موجود ہیں یعنی آغاز مشق کی تصنیف ہیں۔ یہی بات انھوں نے اپنے مضمون "میر اور غالب" مشمولہ "گفتار غالب" میں بھی کی۔ اس قابل قدر مقدمے کے بعد "گل رعنا" کا متن ہے۔ متن کے شروع اور آخر میں غالب کی فارسی نثر ہے، اس کے بعد مرقب نے مفضل حواشی لکھے ہیں۔ ان کی جامعیت کا اندازہ اس سے ہو گا کہ غالب کے چار صفحاتی فارسی دیباچے سے متعلق مد حواشی ہیں۔ کل چالیس غنی کتابت کے ۷۷ صفحات کو محیط ہیں۔

رسالہ "تحریک" میں ایک مضمون نگار نے "گل رعنا" میں منقول دو اشعار کی غیر موزونیت پر اعتراض کیا تھا، حالانکہ یہ یقیناً سہو کتابت تھا۔ (۴۱)

(الف)

مرحبا سہمن و جاں بخشی اش غالب  
خندہ برگری طغر و سکندر دارم  
(مقدمہ "گل رعنا" میں ۷۷)

سویں سے ہمارے صدی سون مراد ہے جو ہر سال سیلاب میں نہاں ہوتی ہے۔ یہ شعر مقدمے کے علاوہ "گل رحما" کے قن میں ص ۳۸ پر بھی ہے اور وہاں پہلے مصرع کا قن یوں دیا ہے،

مرحبا سویں و جاں بخشد آہش غالب

ایسا نہیں ہو سکتا کہ مقرر نے مقدمے میں وہ خیر سوزوں اور مبہم مصرع دکھ کر صحیح لفظ جاننے کی کوشش نہ کی ہو، اس نے قن میں دکھ لیا ہو گا، لیکن چونکہ اعتراض کرنا مقصود تھا اس لیے مقدمے کے سہ کاتب پر گرفت کرنی اور قن کے صحیح مصرع کی بات گول کر دی۔

(ب)

من کر ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

(گل رحما، ص ۳۸)

"کر" سہ کاتب ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اس مشہور شعر میں "من" کے ستم ظریف — "اے" ہے چنانچہ ملک رام صاحب کے مرتبہ آزاد کتب گھر کے دیوان غالب نیز صدی ایڈیشن دونوں میں "من" کے "ہی" دیا ہے۔

ان دونوں الفاظ کاتب سے قطع نظر، یہ کتنا نامناسب نہ ہو گا کہ "گل رحما" کی ترمیم عدین قن کا بہت اچھا نمونہ ہے۔ پاکستانی ایڈیشن میری نظر سے نہیں گزرا۔

اردو تدوینات اور ادارت

اس زمرے کے تحت غالب کی عین تصانیف کی عدین اور غالب سے متعلق ایک مجموعہ مضامین "عبار غالب" کی ادارت آتی ہے۔

دیوان غالب

ملک رام صاحب نے غالب کے اردو دیوان کو ترمیم دیا۔ پہلی بار اسے آزاد کتب گھر دہلی نے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔ اس کا کم از کم ایک ایڈیشن اور نکلا۔ میرے سامنے جو نسخہ ہے، اس پر :۔ سے اشاعت درج ہے، نہ ایڈیشن کی صراحت ہے۔ مقدمے پر ضرور

۱۹۵۷ء درج ہے لیکن سرورق پر ”بعد نظر مبنی“ لکھا ہے۔ ممکن ہے یہ دوسرا ایڈیشن ہو، کیونکہ میں نے اس کا پہلا ایڈیشن دیکھا تھا جس میں یہ مہینہ غزل شامل تھی۔

پیرانہ سال غالب سے کش کرے گا کیا

بھوپال میں مزید جو دو دن قیام ہو

اس نسخے میں نہیں اس طرح یہ دوسرا ایڈیشن ہو سکتا ہے، لیکن مالک رام صاحب کے مرتبہ ایڈیشن پر سزا اشاعت اور ایڈیشن کی صراحت نہ ہونا تعجب خیز ہے۔ زیر نظر ایڈیشن کے شروع میں ۳۶ صفحات کا مقدمہ ہے، پھر غالب کا ۱۳۳۸ء والا فارسی دیباچہ اس کے آگے نکلی ایڈیشن ۱۸۳۳ء کے مطابق متداول دیوان غالب کا متن ہے اس کے آگے کچھ ایسا کلام ہے جو متداول دیوان میں نہیں بلکہ دوسرے ذریعوں سے لیا گیا ہے۔ سب سے آخر میں ۲۲ صفحات پر نسخہ حمید یہ سے لے کر قلم ذو کلام کا انتخاب دیا ہے۔ آزاد کتاب گھر کی طبع اول غالب کے دیوان کا پہلا تحقیقی ایڈیشن ہے جس میں صحت متن کی طرف توجہ کی گئی ہے اور کسی حد تک اختلاف رفع دیے ہیں۔ اتفاق سے اس کے ایک ہی سال بعد ۱۹۵۸ء میں عرشی صاحب کا نسخہ عرشی شیخ ہو گیا جس کی وجہ سے مالک رام کا مرتبہ دیوان غالب اپنی اہمیت کھو بیٹھا۔

۱۹۹۸ء میں صد سالہ یادگار غالب کمیٹی نے محسوس کیا ہو گا کہ اس موقع پر غالب کی سب سے مقبول تصنیف دیوان غالب کا ایک عمدہ ایڈیشن شیخ کیا جائے جو صحیح بھی ہو، دیدہ زیب بھی اور قیمت میں ارزاں بھی۔ چیمپ میں مالک رام صاحب کا مرتبہ دیوان غالب صدی ایڈیشن ۱۹۹۸ء میں شیخ کیا گیا جس کا کاغذ نفیس اور موٹا، کتابت و طباعت دیدہ زیب، جلد مضبوط کسبج کی ہے اور اس کے باوجود قیمت صرف پانچ روپے ہے۔ ظاہر ہوا یہ کوئی تحقیقی ایڈیشن نہیں بلکہ عام قارئین کے لیے ہے۔ اس میں ایک صفحے پر غالب کا تعارف اور تصانیف کی فہرست ہے۔ اس کے بعد صرف دو صفحات کا مقدمہ بنام ”تعارف“ ہے۔ پھر غالب کا ۱۳۳۸ء کا فارسی دیباچہ ہے جو میری رائے میں خیر ضروری ہے۔ اس کے بعد متداول دیوان کے نکلی ایڈیشن کا متن ہے

لیکن اس میں سولہ شعر زیادہ ہیں۔ چار شعر "مکرم کیا ہے، قلم کیا ہے" والی غزل میں اور دس شعر سرے کے، جو حیرت ہے کہ نفاذ ایڈیشن میں نہیں تھا۔

رہیہ حسن خان صاحب نے اس صدی ایڈیشن پر ایک نہایت طویل معترضانہ تبصرہ لکھا جو "تحریک" کے غالب نمبر ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا اور بعد میں "اردو تحقیق اور مالک رام" نام کی کتاب میں آخری بار ان کے ٹکڑے "ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ" (اپریل ۱۹۷۰ء) میں قدسے ترمیم کے بعد آیا۔ میں نے اپنے مضمون میں دواخان غالب کا تبصرہ لکھتے وقت "اردو تحقیق اور مالک رام" ہی پیش نظر رکھی تھی اس لیے یہاں اسی کے مصلحوں کا حوالہ دے رہا ہوں۔

انھوں نے یہ مضمون بڑی دیدہ ریزی کے بعد لکھا ہے۔ اس سے ان کے غن نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ کاش انھوں نے اسے غیر جذباتی رنگ میں لکھا ہوتا اور خامیوں کے بیان کے ساتھ ساتھ مالک رام کے اکتسابات پر سیاہی نہ پھیر دی ہوتی؛ مضمون کے یک لے پن کو نظر انداز کرتے ہوئے میں اس کے بعض مطالب سے متعلق اپنے مشاہدات عرض کرتا ہوں۔

۱۔ دواخان غالب کے میسرے (امدی) ایڈیشن میں بہت اظاظ طباعت قصں۔ غالب نے اس کی ایک کاپی کو درست کیا اور اسی سے چوتھا (نفاذ) ایڈیشن چھاپا گیا۔ غالب کی درست کردہ کاپی آصفیہ لاہوری حیدرآباد میں موجود ہے۔ اس کے آخر میں غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط موجود ہے جس میں تصدیق ہے کہ یہ نسخہ انھوں نے صحیح کیا ہے رہیہ حسن خان کو چونکہ اس نسخے میں غلطیاں باقی دکھائی دیں، اس لیے ان کا خیال ہے کہ یہ وہ نسخہ نہیں جو غالب نے صحیح کیا ہو گا۔ وہ قیاس کرتے ہیں کہ غالب نے صحیح کسی اور نسخے کی ہوگی اور بے خیالی یا سرخوشی میں یا کسی اور سبب سے رقعہ دوسری کاپی پر لکھ دیا ("اردو تحقیق اور مالک رام"، ص ۱۵۱)۔ غالب کی تحریری دستخطی سند کو قیاس نہ نہیں کر سکتا۔ اگر اس جلد میں اب بھی اظاظ باقی ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ غالب نے توجہ سے صحیح نہیں کی یا شاید کاغذ نے ان کی تمام اصلاحات کو نہیں جٹایا جس کی وجہ سے بعض اظاظ باقی رہ گئے۔ اگر اس میں بعض اصلاحات مفصل

سے ہیں یا صرفاً بدست غیر ہیں تو صاف ہے کہ انھیں طالب کے بعد کسی اور شخص نے ورج کیا ہے۔

ملک رام صاحب نے اس نسخے کا مقابلہ حیدر آباد جا کر نہیں کیا بلکہ نصیر الدین ہاشمی صاحب سے کرایا۔ یہ ضرور کوتاہی ہے۔ ہاشمی کو تقابلی کا کام سونپا جا سکتا تھا کہ وہ بھی محفوظات کے باہر تھے، لیکن بد قسمتی سے وہ غالبیات کے باہر نہیں تھے۔ وہ شناخت نہیں کر سکتے تھے کہ کون سی اصلاحیں بدست طالب ہیں اور کون سی بدست غیر۔ ملک رام صاحب خود جا کر دیکھتے تو ان کے فیصلے زیادہ بدوثوق ہوتے۔

۲۔ صدی ایڈیشن میں اختلاف نسخ نہیں دیے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نسخے کو عام شائقین طالب کے لیے تیار کیا گیا، محققین غالبیات کے لیے نہیں۔ آزاد کتاب گھر والے ایڈیشن میں بعض ضمیمہ ضروری اختلافات نسخ دیے ہیں۔ "صدی ایڈیشن" میں ملک رام نے کہیں کہیں نسخہ نکالی سے انحراف کیا ہے۔ میں اس کی وجہ نہیں بیان کر سکتا شاید آصفیہ لاہوری کی کاپی میں ایسا ہو۔ جب تک اسے خود نہ دیکھ لوں، نہ ملک رام صاحب کے متن پر اعتراض کر سکتا ہوں نہ رشید حسن خان کے اعتراض کی تردید۔ رشید حسن خان "صدی ایڈیشن" کے علاوہ آزاد کتاب گھر کے دیوان کو بھی سامنے رکھ لیتے تو نکالی ایڈیشن سے بعض انحرافات کی وجہ سمجھ میں آسکتی تھی۔ یہ یقینی ہے کہ طالب کی زندگی کے پانچوں ایڈیشنوں میں نکالی ایڈیشن، باوجود غلطی کے، سب سے زیادہ معتبر ہے۔

یہ واضح رہے کہ ملک رام نے دیوان طالب مرتب کرنے کے لیے نسخہ عرش کی طرح غیر معمولی کوشش نہیں کی۔ انھوں نے دیوان طالب کا کوئی محفوظ سامنے نہیں رکھا آزاد کتاب گھر کے ایڈیشن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے معتبر مطبوعات ہی پر الحصر کیا ہے، اس لیے انھیں اپنے تہذیب میں جاں نکالی ایڈیشن سے اختلاف دکھائی دیا اور دوسرے متن کو نکالی کے متن پر ترجیح دینے کی وجہ تھیں، وہیں انھوں نے ترجیح دی ورنہ جیسے سب صورتوں میں نکالی کے متن کو ترجیح دیکھا، مطلقاً



صدی ایڈیشن میں ع. غم گیتی سے مرا سینہ امر کی زمہیل (اس۔۔۔) میں "امر" کی کوئی صراحت نہیں لیکن آزاد کتاب گھر کے ایڈیشن میں ہے۔ چونکہ ملک رام کو نسخہ نکالی سے زیادہ مشہور کسی مطبوعہ نسخے میں عز نہیں ملا، اس لیے انھوں نے "امر" کو برقرار رکھا جو غالباً آصفیہ کی کاپی میں بھی ہے۔

ع. میرے ابھام پہ ہوتی ہے تصدق تو صبح (صدی ایڈیشن ص ۲۰۰ اور آزاد کتاب گھر ایڈیشن ص ۱۷۸) میں ص ۱۷۸ میں "ابھام" کو "ابھام" چھاپنے کی وجہ یہ ہے کہ انتخاب غالب میں "ابھام" ہے۔ ملک رام صاحب نے اپنے ایڈیشنوں میں نکالی ایڈیشن سے جہاں جہاں اختلاف روا رکھا ہے، میں ان سب کی توجیہ تو نہیں کر سکتا ہوں، آزاد کتاب گھر کے ایڈیشن کے اختلاف نسخا سے کیے گئے ہیں وجہ مطوم ہو جاتی ہے۔

۳۔ روید حسن خان نے مطالبہ کیا ہے کہ دیوان غالب میں غالب کے املا کی پابندی کی جائے۔ مجھے اس اصول سے خدشہ اختلاف ہے۔ میں نے نسخہ مرثیہ پر مضمون لکھتے ہوئے یہ اصول پیش کیا تھا کہ ترجیح قن میں فرسودہ املا کو جدید املا میں بدل دینا چاہیے، سوا ان صورتوں کے جہاں فرسودہ املا غلطی کے اختلاف کو ظاہر کرتا ہے۔ (۱) اگر غالب کے املا کو مقدس مانا جائے تو کیا پائے معروف و مجہول میں فرق نہ کیا جائے؟ ہاں طبعی وہاں غلطیوں میں اتنا ہی کیا جائے؟ مثلاً، "مرقبہ غالب" مرتبہ پر تھوڑے چند سے چند مثالیں لیجیے۔ قوسین میں جدید املا دیا تاکہ قاری صحیح چاہ سکے۔ مرقبہ نے غلطیوں کے عکس پر صفحہ کے نمبر نہیں دیے، میں نے ڈال دیے ہیں تاکہ حوالہ دیا جاسکے۔

نگہوں (نہ کہوں) ص ۷۰۰ میں (میں) ص ۷۰۰ غشتوی (خوشنوی) ص ۷۰۰ جیوں (بیٹوں) ص ۲۰۰۔ ہاں فعل (بالفعل) ص ۷۰۰ ہاں (کچھ) ص ۷۰۰ ہاں (اے) ص ۲۳۱۔

اگر غالب کے املا کی پابندی کی جائے تو دوسرے قدیم مصنفوں کی جو تحریروں میں ان کے ہاتھ کی ملتی ہوں، ان کی بھی تقلید کی جائے، اس طرح تمام موجودہ اشاعتیں قدیم

تخلوط کی طرح ہو جائیں گی۔ ایک مضمون میں غالب کے شعر میں "خرہید" اور مژہ میں "بالفل" اور "خشتودی" لکھا جائے گا، کسی دوسرے شاعر کے شعر میں "خورہید" یا قدیم عبارت میں "بالفل"، "خشتودی"۔ کہنے کی غرض یہ ہے کہ غالب کا الفاظ غالب کے زمانے کے لیے تھا۔ آج اس کی تقلید کرنا حال کو ماضی میں بند کرنا ہے۔ جبار، غالب نے "تھپے" لکھا ہے۔ وہاں ہم "تھے" نہیں لکھ سکتے کہ اس سے لفظ بدل جائے گا، لیکن اگر غالب "خرہید" کو صحیح الفاظ قرار دیتے ہیں تو دیں۔ ہم اگر دوسری تحریروں میں رائج الوقت الفاظ "خورہید" لکھتے ہیں تو دیوان غالب کی اشاعت میں بھی "خورہید" لکھنا چاہیے۔

رہید حسن خان نے واضح کیا کہ عربی لفظ "جیب" بمعنی گریبان مذکر ہے۔ غالب کے اشعار میں یہ لفظ گریبان ہی کے معنی میں آیا ہے، اس لیے اسے ذکر لکھنا چاہیے یعنی ہمارے جیب (ما)، لیکن جب رہید حسن خان یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جیب کو عربی کی تقلید میں بہ فتح اول جیب لکھا جائے تو میرے مذاق شعری کو دھچکا لگتا ہے۔ یہ ایسا ہی مطالبہ ہے جیسا "سوال" کو "س" کے ضمے سے سوال، "ہیکم" کو "مک" کے ضمے سے ہیکم اور "موسم" کو "س" کے کسرے سے موسم بولنے کا ہو۔ اردو میں جیب لکھنا اور بولنا بالکل مولویانہ لفظ ہو گا، شاعرانہ نہیں۔ واضح ہو کہ ملک رام نے بھی "گل رعنا" (ما) میں اس شعر میں "ہمارے جیب" ہی لکھا ہے (ما) لیکن یہ شاید رہید حسن خان کے اعتراض کو دیکھنے کے بعد کیا ہو۔

۵۔ اشعار کی ضمیر سوزوئیت۔

الف۔ غالب کے ان اشعار میں جہاں "ایک" بروزن فتح آیا ہے، ملک رام کے ایڈیشنوں میں بیش تر "اک" لکھا ہے لیکن کہیں "ایک"۔ وزن کا ٹھکانا بھی "اک" لکھنے کا ہے اور ایسے موقعوں پر غالب کا فرمان بھی یہی ہے (ما)، لیکن میں اپنی ذاتی رائے عرض کرتا ہوں کہ "اک" قماشاً ہوا گدے ہوا "ہیچے مصرعوں میں مام قدری" "اک" (پائے بھول کی تحفیف) نہیں بولنا بلکہ پائے بھول کو مختصر کر کے بولنا ہے۔ ان موقعوں پر "اک" اور "ایک" دونوں میں سے کوئی بھی لفظ کی صحیح ترجمانی نہیں

کرتا۔ "اک" کھینے سے حرف علت کا طول صحت سے ظاہر ہوتا ہے لیکن اس کی صوتیاتی نوعیت بدل جاتی ہے۔ "ایک" کھینے سے حرف علت کی نوعیت صحیح رہتی ہے لیکن اس کا طول بدل جاتا ہے۔ پھر بھی ہم "ایک" کھما ہونے کی بنا پر ایسے مصرعوں کو غیر موزوں نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اردو شعر میں یہ عام رواج ہے کہ طویل حرف علت کھما جاتا ہے لیکن وزن کی خاطر موزوں طبع قاری اسے مختصر کر کے پڑھا ہے۔ مثلاً غالب کے یہ مصرعے۔

ہے نو آسوزِ فنا بہت دھواں پند  
بہ عشق از دو جہاں بے نیاز باید بود  
چو لب نہ ہرزہ نواہنِ شوق نتواں شد  
کاش کاش بہت کاشی در پذیرد دم غالب  
بندہ توام گویم، گویدم زہد آرمے  
اک بات ہے اعجازِ مسما مرے آگے

نو، دو جہاں، چو لب، توام، مرے میں "و" اور "ے" مختصر ہیں، لیکن انہیں طویل کھینے کی بنا پر کوئی شعر کو غیر موزوں یا کما بہت کو غلط نہیں کہتا۔ کما جا سکتا ہے کہ لفظ کے آخر میں حرف علت کا دہانا عام ہے لیکن لفظ کے درمیان نہیں، لیکن بعض الفاظ میں درمیانی حرف علت بھی دہایا جاتا ہے۔ "دو رسمہ" کو ہم ایک مرکب لفظ کہیں گے۔ ریختی کا لفظ "دو گانا" بھی واحد ہے۔ اب ذیل کے اشعار دیکھیے۔

دو رسمہ جو روشن چراغاں ہوئے  
چنگے خوشی سے غزلِ خواں ہوئے  
(شہزادہ مراد علی)

دو گانا، جان کے بیچے نے مونا کچھ غمازی پر  
سلیانی تر ہوئی سدا، پڑا آدھا بدن دھونا  
(ابن صاحب)

ریختی کے اشعار میں "دو گانا" کے لفظ میں ہمیشہ "و" دہائی جاتی ہے اور ہمیشہ

لکھی جاتی ہے، اسے کوئی غیر موزوں نہیں سمجھتا۔ ”دوکان“ میں داد لکھ کر بھی ہم اسے ”دوکان“ بولتے ہیں اور اکبر الہ آبادی کا یہ شعر دیکھیے۔

شعخ جی کے دونوں لڑکے باہر پیدا ہوئے

ایک میں خفیہ پولیس میں، ایک پچانسی پر چڑھے

لفظ ”پولیس“ میں داد لکھنے کے باوجود اس کا لفظ ”پلس“ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ”یک“ لکھا جائے تو بھی ہر موزوں طبع چہری اس کے حرف ملت کو سمرا، صخرہ والے کسرے سے چڑھے گا جو خضریاے بھول کے مترادف ہے۔ بہر حال یہ میرا ذاتی معروضہ ہے۔ اگر غالب ”اک“ پسند کرتے ہیں تو چونکہ ”ایک“ (بہ اختصار یا) کا لفظ ”اک“ سے مختلف ہے، اس لیے ”اک“ ہی کو ترجیح دی جائے گی، لیکن ”ایک“ کے ساتھ بھی مصرع کو غیر موزوں نہیں کہا جاسکتا۔

ب۔ جن اشعار میں وزن کا قصداً ”امید“ (فارسی قاعدے سے ”آئید“) لکھنے کا ہے، وہاں ”آئید“ لکھنا غلط ہے، اس سے شعر غیر موزوں ہو جاتا ہے۔ صدی انڈیشن میں یہ سواہیا ہوا ہے۔

ج۔ رشید حسن خان نے واضح کیا ہے کہ غالب ”یہاں“ وہاں“ کے مقابلے میں ”یہاں“ وہاں“ کو صحیح تر مانتے تھے اور اشعار میں بھی باندھا ہے، گو اس زمانے کے املا کے مطابق ان الفاظ کو ہائے مخلوط کی جگہ ہائے ملفوظی سے ”یہاں“ وہاں“ لکھتے ہیں، شعر کا وزن بھی ”یہاں“ وہاں“ کا غالب ہوتا ہے۔ (امامک رام صاحب نے ان موقعوں پر بعض اوقات ”یہاں“ وہاں“ چھاپا ہے جو صحیح نہیں۔ نئے عرشی میں ان سب موقعوں پر ”یاں“ وہاں“ لکھا ہے۔ وہاں بھی ”یہاں“ وہاں“ ہوتا تو بہتر ہوتا گو ”یاں“ وہاں“ سے وزن تو درست رہتا ہے۔ واضح ہو کہ دہلی اور مغربی یوپی میں عام بول چال میں ”یہاں“ وہاں“ ہی بولا جاتا ہے۔

د۔ اعتراض ہے کہ ”ت“ اور ”ط“ میں غلط سمجھ کیا ہے۔ ”طراز“ کو ہمیشہ ”ت“ سے لکھنا چاہیے کہ یہ فارسی لفظ ہے۔ (امامیہ نے نئے عرشی میں دیکھا۔ اتفاق سے وہاں بھی اعتراض کیے ہوئے چاندوں مصرعوں میں ملک رام والا املا ہے۔

شوق ہے سداں ترانہ عازش ارباب بجز صدی ایڈیشن، ص ۳۰ نسخہ عرشی، ص ۳۹  
 اس رقم کو دیا طراز دوام صدی ایڈیشن، ص ۱۰۱ نسخہ عرشی، ص ۳۸  
 پھر ہوا مدحت طرانی کا خیال صدی ایڈیشن، ۱۹۵۰ نسخہ عرشی، ص ۱۳۰  
 ہے گرچہ مجھے بحر طرانی میں صارت صدی ایڈیشن، ۲۰۰۰ نسخہ عرشی، ص ۱۲۷  
 ۷۔ صدی ایڈیشن میں نسخہ نقلائی کی تفسیر میں ایک مصرع میں ”حب“ اور دو  
 مصرعوں میں ”حب“ ہے۔ مطالبہ کیا ہے کہ کوئی ایک لانا چاہیے۔ (۱۲) یہ مطالبہ غالب  
 سے کیا جاتا تو بہتر تھا۔ اگر اس کے دیوان کے مستند نسخے میں دو تلفظ موجود ہیں اور  
 معنوی اعتبار سے دونوں صحیح ہیں تو مرتب کو کیا حق ہے کہ ان میں تصحیف کر کے  
 یکساں کر دے۔

۸۔ صدی ایڈیشن اور نسخہ نقلائی میں ہے،

افسوس کہ دیداں کا کیا رزق فلک سے

(صدی ایڈیشن، ص ۱۲)

نسخہ عرشی (ص ۱۱۱) میں ”وداں“ ہے اور عرشی صاحب نے نقلائی کے متن ”دیداں“  
 کو سہو کاہ قرار دیا ہے (ص ۱۱۱)۔ رشید حسن علان جی اسے بہ اصرار سہو کاہ کہتے  
 ہیں (احاطہ لاکہ یہ برگز سو نہیں۔ ”دیداں“ جمع ہے ”دودہ“ کی بمعنی کیڑا۔ معنی کے  
 لحاظ سے ”دیداں“ ”وداں“ سے بہتر تھا۔ آزاد کلب گھر کے ایڈیشن کے اختلاف نسخ  
 سے معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب غالب میں ”وداں“ ہے۔ (۱۳) چونکہ یہ نقلائی کے بعد کا  
 متن پیش کرتا ہے، اس لیے اسے ترجیح دی جائے گی ورنہ جہاں تک معنی کا تعلق ہے  
 ”دیداں“ ہی بہتر تھا۔ چونکہ انجمنی لفظ تھا، اس لیے غالب نے اسے بدل دیا ہو گا۔

ملک بام صاحب کا اصول قریب متن یہ ہے کہ ایک متن کے مختلف نسخوں میں  
 ایک نسخے کو اساسی قرار دے کر اسے کتاب کے متن میں درج کیجیے، بقیہ نسخوں کے متن  
 کو اختلاف نسخ میں لاکہ بدایہ معلوم ہو جائے کہ اساسی نسخے کا متن ناقص ہے اور کسی  
 دوسرے کا شکیک ہے۔ (۱۴)

میں اس اصول کا قائل نہیں، جیسا کہ میں نے اور مضمون میں لکھا ہے۔ (۱۵)

دیوان غالب صدی ایڈیشن پر رشید حسن خان نے جو اعتراض کیے ہیں، ان کی ذمہ داری بانک رام صاحب کے اسی اصول کی ہے کہ انھوں نے نفاذی ایڈیشن کو اساسی نسخہ مان لیا ہے اور چند مستثنیات کے سوا اس تحریر کو من و عن نقل کر دیا ہے۔

• نسخہ نفاذی اور ۱۸۵۷ء کے ایڈیشن میں مصرع ہے:

ہے نو آہیں زلفا بہت دشوار پسند  
 صدی ایڈیشن میں "زلفا" کو "وقا" کر دیا ہے، اس کا تعلق ہمیں معلوم نہیں،  
 دلی پر دانہ چرائیں، پر بلبل گنگار  
 (صدی ایڈیشن، ص ۵۵۸)

نسخہ نفاذی اور دوسرے ایڈیشنوں میں "گنگار" کی جگہ "گل زار" ہے رشید حسن خان حیران ہیں کہ یہ "گنگار" کہاں سے لیا ہے۔ وہ آزاد کتب گھر کا ایڈیشن (ص ۱۳۶) دیکھ لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ آصفیہ کی تصحیح شدہ کاپی کے مطابق ہے اگر غالب نے "گل زار" کو بدل کر "گنگار" کر دیا تھا تو کچھ میں نہیں آتا کہ نفاذی ایڈیشن میں "گل زار" کیونکر چھپا۔ ممکن ہے، "گل زار" کی اصطلاح "گنگار" غالب کے بعد کسی اور شخص نے کی ہو اور بانک رام نے اسے اصلی سمجھ کر قبول کر لیا ہو۔

گنگار کر پر وہ، ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے  
 (صدی ایڈیشن، ص ۱۳۸)

اعتراض ہے کہ غالب کا املا "ذرا" تھا اس لیے "ذرا" غلط ہے۔ اس دعوے کی تائید میں نسخہ عرشی کے ص ۲۲۵ کے حاشیے کو پیش کیا ہے۔ (۱۷۱) اتفاق سے نسخہ عرشی ص ۲۲۵ پر "ذرا" کا لفظ نہیں آیا اور اس لیے اس صفحے کے حاشیے میں بھی اس کا ذکر نہیں۔ مندرجہ بالا مصرع نسخہ عرشی کے ص ۲۲۵ پر ہے، لیکن اس کے حاشیے میں یہ نہیں لکھا کہ غالب نے اس لفظ کی "ذال" کو جمیل کر "ذرا" بنا دیا تھا۔ خدا معلوم یہ قول نسخہ عرشی کے کس صفحے پر ہے۔ وہاں صرف یہ لکھا ہے کہ دیوان غالب کے پہلے ایڈیشن کے علاوہ بقیے سب میں "ذرا" ہے۔ جب بانک رام صاحب نے نفاذی

ایڈیشن کو اساسی نسخہ قرار دیا ہے تو وہ اپنے اصول کے مطابق "ذرا" ہی لکھتے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں اعلیٰ غالب پر موجودہ اہلکار کو ترجیح دیتا ہوں۔

زخم گر وب گیا ، لو نہ تھنبا

(صدی ایڈیشن، ص ۳۰۱)

رہیے حسن خلیں حیران ہیں کہ "تھنبا" غالب کی کس تحریر کی بنا پر لکھا ہو گا۔ (۱) وہ اس کا ماتخذ جاننے کے لیے آزاد کتاب گھر کا ایڈیشن اور نسخہ عرفی (۲) اہلکار کے لیے تو واضح ہو جاتا کہ متعدد قلمی اور مطبوعہ نسخوں مثلاً نسخہ رام پور جدید ، نکلای ایڈیشن و حیدرہ میں "تھنبا" یا "تھنبا" ہی ہے ، صرف "اردوئے معلیٰ" میں "تھما" ہے۔ ہاں ، دوسرے مصرع "رو میں ہے رختِ عمر ، کہاں دیکھے تھے" پر ان کی حیرانی بجا ہے کہ "تھے" کہاں سے آگیا ، کیونکہ نکلای ایڈیشن میں "تھکے" ہے اور نسخہ عرفی (ص ۳۳۳) کی مراحت کے مطابق دوسرے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں تھنبا یا تھنبا ہے۔ شاید تھنبا تھنبا اور تھے غالب کے اہلکار میں ارتقا ظاہر کرتے ہیں۔ اچانکہ ان کا غلط مختلف ہے ، اس لیے مرقب ان میں ترمیم کا مجاز نہیں۔

سادگی و "پرکاری" ، بے خودی و ہشیاری

(صدی ایڈیشن، ص ۳۰۱)

ایک عالم پہ ہیں طوفانی کیفیتِ فصل

(صدی ایڈیشن، ص ۳۰۱)

ہوئی یہ کسرتِ ظم سے تلفِ کیفیتِ شادی

(صدی ایڈیشن، ص ۳۰۱)

دل مدھی و دیدہ بنا مدحاطبہ

(صدی ایڈیشن، ص ۳۰۱)

مطلبہ (۱) ہے کہ سادگی ، بے خودی ، مدھی اور کیفیت کی "ی" پر تشدید کا نشان چاہیے۔ نسخہ عرفی میں صورت یہ ہے کہ سادگی ، بے خودی ، مدھی اور کیفیتِ فصل کی "ی" پر تشدید نہیں لیکن "کیفیتِ شادی" میں "کیفیت" پر تشدید ہے۔

رہید حسن خان کا خیال ہے کہ ان الفاظ میں تشدید کے بغیر تلفظ غلط ہو سکتا ہے عربی فارسی سے قطع نظر میں اردو کے املا کی حد تک یہ زور اپیل کروں گا کہ ان الفاظ پر تشدید ہرگز نہ لگائیے کہ اس سے تلفظ سچ ہو جائے گا۔ تشدید اور دوہرے حرف میں فرق ہے۔ ”ہنا، چنی“ مختلف ہیں اور ”ہنا، چنی“ ان سے مختلف۔ میں صوتیت کی اصطلاح میں بات کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

تشدید کو ادا کرنے کے لیے زبان اس آواز کے مخرج پر معمول سے زیادہ عرصے تک ٹھہری رہتی ہے۔ دوہری آواز ادا کرنے کے لیے اعصابے نطق اس آواز کے مخرج پر ایک بار آتے ہیں، پھر معمول کی حالت پر لوٹ جاتے ہیں اور پھر دوبارہ اس آواز کے مخرج پر جا پہنچتے ہیں۔ مندرجہ بالا مصرعوں میں ”ی“ ”یا“ و ”کی دونوں آوازیں مختلف ہیں۔ پہلی بار یہ مصوٹے (حرف علت) کی شکل میں بولی جاتی ہیں اور اس کے بعد مصیٹے (حرف صحیح) کے روپ میں۔ اس طرح ہم ”ی“ ”یا“ و ”کو مشدود نہیں بولتے بلکہ دو بار بولتے ہیں۔ ہندی میں کچھ کر دیکھ لیجیے، بات واضح ہو جائے گی۔ صوتیات سے قطع نظر اردو میں مشدود ”ی“ پر تشدید کا نشان لگائیں تو اس کا تلفظ ”کے فی میت“ نہ رہ کر ”کے فیت“ (میت اور نیر کی طرح) ہو جائے گا۔ اسی طرح سادگی و نہ کاری میں سادگی کی ”ی“ پر تشدید لگانے سے سادگیو (اسی و سادش کی ”ی و ”کی طرح) پڑھا جائے گا۔ میر عباس شومسری کا مشہور شعر ہے،

ایں کلام صوفیان شوم نیست

شعوی مولوی روم نیست

دوسرے مصرع میں ”شعوی“ اور ”مولوی“ کی ”ی“ میں اخافت کے بعد وہی صورت بن جاتی ہے جو ”سادگی و نہ کاری“ میں واو عطف سے پہلے کی ”ی“ ہے۔ اگر بصورت اخافت یا بے معروف پر تشدید کا نشان نہیں لگایا جا سکتا تو بصورت عطف کیوں مندرجی ہو، اس لیے عربی و فارسی روایات کو نظر انداز کرتے ہوئے میں التماس کروں گا کہ مندرجہ بالا مصرعوں میں تشدید لگا کر املا کو غلط تلفظ کا حامل نہ بنائیے۔



رشید حسن خان نے یہ تبصرہ غیر معمولی طور پر بلاستجاب مطالعے کے بعد لکھا ہے۔ ان کے بیش تر مشاہدات سے اتفاق کیا جائے گا۔ دیوان غالب صدی ایڈیشن کے جن مندرجات پر انھیں اعتراض ہے، ان کی سب سے بڑی وجہ ملک رام کا یہ اصول ہے کہ اسی نسخے کا متن جیوں کا تیوں لکھ دینا چاہیے اور دوسرے نسخوں کے متن کو اختلاف نسخ میں دینا چاہیے۔ ڈاکٹر تذیر احمد، راقم الحروف، اور رشید حسن خان اس بات پر متفق ہیں۔

دیوان غالب میں تسامات کی دوسری وجہ یہ مطوم ہوتی ہے کہ ملک رام کا مطلع نظر غیر معمولی کاوش کے بعد ایسا محققانہ متن تیار کرنا نہ ہو گا جیسا نسخہ عرشی کی تیاری میں روا رکھا گیا۔ میرا خیال ہے کہ صدی ایڈیشن عام قارئین کے لیے چھاپا گیا ہے، اسی لیے انھیں اختلافات نسخ کی تفصیلات سے متعلق نہیں کیا گیا۔

### خطوطِ غالب

اس کتاب کی پہلی جلد ہندوستانی اکیڈمی الدہ آباد سے شائع ہوئی۔ اس کے سرورق کے اندر لکھا تھا۔

### خطوطِ غالب

مرزا اسد اللہ خاں غالب کے خط، رقعے و ضمیر

مبین پرشاد

نے مختلف ماخذوں سے جمع کر کے ترتیب دیے

عبدالستار صدیقی

نے نظر ثانی کی

پہلی جلد

اس کی ابتدا میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا ۱۵ مارچ ۱۹۳۱ء کا مقدمہ ہے اور اس کے بعد غشی سمیش پر شاہ کا جنوری ۱۹۳۱ء کا دباچہ۔ آگے خطوں کا تین ہے اور آخر میں دو صفحوں کا خط نامہ۔ اپنے مقدمے میں ڈاکٹر صدیقی نے صراحت کر دی ہے کہ خطوں کی جانچ اور ترمیم سمیش پر شاہ نے کی ہے۔ صدیقی صاحب نے صرف یہ کیا،

متن کی نظر ثانی کرتے وقت جہاں کہیں کوئی صوبی غلطی سامنے آگئی جنوری رد و بدل کر دی۔ جہاں ضرورت دیکھی، اپنی سرف سے حاشیہ لکھ دیا۔ ایسے

حاشیے کے آخر میں ”صحیح“ کا لفظ لکھ دیا ہے یا اپنے نام کے سر حرف ”۱۹۳۱ء“

ڈاکٹر صدیقی نے امید ظاہر کی تھی کہ دوسری جلد اسی سال ۱۹۳۱ء میں چھپ جائے گی لیکن وہ آج تک نہیں چھپی۔ غشی سمیش پر شاہ کا انتقال اگست ۱۹۵۱ء میں ہوا تھا۔ غشی جی کے جملہ کاغذات ہندوستانی اکیڈمی نے خرید لیے جن میں ان کی مرتبہ دوسری جلد کا مسودہ بھی تھا۔ ہندوستانی اکیڈمی انجمن کے حق میں دست بردار ہو گئی۔ انجمن نے ان کی ترمیم نو کا کام بانک رام کے سپرد کیا، چنانچہ جلد اول ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی چونکہ سرور صاحب کے تعارف پر ۲۰ مارچ ۱۹۴۳ء درج ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ کتاب ۱۹۴۳ء میں نہیں، دراصل ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔ تعارف کے بعد سمیش پر شاہ کے ۱۹۳۱ء کے ایڈیشن کا دباچہ دے دیا گیا۔

رسالہ ”تحریک“ جنوری ۱۹۳۹ء اور دسمبر ۱۹۴۳ء کا مارچ ۱۹۴۵ء کے شماروں میں اس ایڈیشن پر مختلف اعتراضات شائع ہوئے ہیں جن میں بنیادی اعتراض یہ تھا کہ بانک رام صاحب نے مرتبہ کی حیثیت سے سمیش پر شاہ کا نام کیوں مٹا دیا ہے۔ بلاواقفیت کی وجہ سے میں نے بھی ایک یا دو خط لکھ کر دیے تھے۔ مجھے اس وقت پورے حقائق معلوم نہ تھے۔ ”ہمدرد زبان“ میں بانک رام صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں انھوں نے حکوہ کیا،

”میرا خیال تھا کہ اگر کوئی صاحب قنوی سی تحقیق یا تجسس سے کام لیں گے تو وہ آسانی سے یہ اختلاف معلوم کر لیں گے، لیکن انھوں نے ایسا

نہیں ہوا۔ ہم میں سے بیش تر لوگ خود غور و فکر نہیں کرتے، دوسروں کے کہنے پر آمنا و صدقہا کہنے ہی میں ماضیت دیکھتے ہیں۔“

بالکل صحیح کہا ہے۔ زیر نظر مضمون لکھتے وقت میں نے سوچا کہ کہیں سے صبیٹ پر شاہ کی کتاب حاصل کر کے دونوں کا تقابلی مطالعہ کروں اور بطور خود معطوم کروں کہ مالک رام صاحب نے کچھ احاذ کیا ہے کہ نہیں۔ چونکہ خطوط غالب کے سلسلے میں مجھے مالک رام صاحب سے کبھی کچھ نہیں لکھا، نہ ان سے اس موضوع پر بات ہوئی، اس لیے اس تحریر کے وقت بھی میں نے سوچا کہ انھیں ملوث کیے بغیر از خود حقیقت کی دریافت کروں گا۔ اس کے لیے صبیٹ پر شاہ کی مرتبہ ”خطوط غالب“ کی ضرورت تھی۔

اللہ آباد یونیورسٹی لائبریری میں اس کی کاپی نہ ملی۔ یہ کتاب ہندوستانی اکیڈمی اللہ آباد سے شائع ہوئی تھی۔ اُس وقت میں اس کے دو نائب صدور میں سے ایک تھا۔ میں نے اکیڈمی سے اس کی ایک کاپی لینے کو آدمی بھیجا۔ اہل دفتر اور سیکرٹری نے رجسٹر وغیرہ دے کر قطعیت سے کہا کہ ہندوستانی اکیڈمی سے ایسی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی، لیکن اکیڈمی نے اپنی شائع شدہ ہندی کتاب ”غالب کے پتر“ دو جلدیں بھیج دیں۔

ہندی کتاب کی جلد اول (۱۹۵۱ء) کے مرتبہ تناد ڈاکٹر شری رام شرما ہیں۔ پہلی جلد کے منسلک میں لکھا ہے کہ اس میں اکیڈمی کی شائع شدہ اردو کتاب ”خطوط غالب“ مرتبہ صبیٹ پر شاہ کا متن پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے پھر سیکرٹری سے فرید کیا۔ پھر تلاش کی گئی اور کسی گوشے سے صبیٹ پر شاہ کی ایک جلد برآمد کر کے مجھے بھیجی گئی۔ ہندی کتاب کی دوسری جلد میں مرتبہ کے التماس (مناجاء) کا چلا جلد ہے۔

”مرزا اسد اللہ خاں غالب ۱۹۵۵ء کے اس پاس ہندی میں پتر لکھنے لگے۔“

اس ”ہندی“ کے دعوے پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ معطوم ہوا۔ ”اردو سے معنی“ اور ”محمود ہندی“ ہندی کتابوں کے نام ہیں۔ مرتبہ وحی حیدر آباد کے ڈاکٹر شری رام شرما ہیں جو دکنی اردو کو دکنی ہندی کہنے میں خوش خوش ہیں۔ جلد دوم میں انھوں نے غلام رسول صرکی دونوں جلدوں، نیز ”علامت غالب“ مرتبہ آفاق حسین کراچی سے ناشرہ اٹھایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُس وقت تک اردو کے کسی ایڈیشن پر،

غالب کے اتنے خطوط نہیں جتنے ہندی کی ان جلدوں میں ہیں۔ مہیش پر شاہ جملہ خطوط کا احاطہ کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنی جلد اول میں مکاتیب غالب (عرشی) سے نواب یوسف علی خاں اور صاحب زادہ زین العابدین خاں کن کے خطوط تولے لیے لیکن نواب کب علی خاں اور دوسروں کے خطوط جلد دوم میں شامل کرنے کا ارادہ کیا ہو گا اور وہ خطرِ عام پر آئی ہی نہیں۔ بلکہ رام صاحب نے مہیش پر شاہ کی جلد نول کو سنوارات غالب کے خطوط، بنام غشی بی، بخش حقیر، کے اضافے کے ساتھ چھاپا۔ غلام رسول مر (۱۷۱۰ء) نے اپنی کتاب میں "مکاتیب غالب" مرتبہ عرشی، ۱۰ ج سنوارات غالب "مرتبہ اتقاق کے خطوط کو چھوڑ کر جیسے سب خطوط تولے لیے۔ اس طرح شری رام شریا کی کتاب میں نواب یوسف علی خاں، منہ حقیر کے نام کے خطوط بھی شامل ہیں۔ اس وقت تک کے اردو کے کسی مجموعے میں اتنے خطوط نہیں۔

میں نے "خطوط غالب" نسخہ مہیش پر شاہ اور "خطوط غالب" نسخہ ملک رام کا بلااستیعاب تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ میں نے خطوں کی تادیکوں اور حاشیوں (فٹ نوٹ) کو خاص طور سے لایا ہے۔ واضح ہو کہ فٹ نوٹ کے حواشی زیادہ تر اختلافِ نسخہ پیش کرتے ہیں۔ میں اپنے تقابلی کو مختلف جنومات کے تحت درج کرتا ہوں۔

۱۔ مکتوب الیہ کا انتساب

ملک رام صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

"مطلوبہ نسخے میں بعض خطوط غلط نام سے چھپ گئے تھے۔ انھیں اصلی

مکتوب کے نام کے خطوں میں ڈال دیا۔"

(۱) ہندی زبان، ۲۰ء، ندرج، ص ۱۰۷، ص ۱۱۱

مجھے اس قسم کی صرف ایک مثال ملے۔ نسخہ مہیش میں ص ۵۵ پر خط نمبر ۵۸ ہرگوپال نقو کے نام دکھایا ہے۔ غلام رسول مر نے طے کیا کہ یہ دراصل مرزا راقم علی بیگ مر کے نام ہے۔ (۱) ملک رام صاحب کا بھی یہی فیصلہ ہے، چنانچہ ان کے ایڈیشن میں یہ مر کے نام خط نمبر ۱۰ ص ۳۵۵ پر ہے۔ نسخہ ملک رام میں مر

کے نام کے خط نمبر ۳۰۴ اور شیونرائی آرام کے نام کے خط نمبر ۱۱۰۵ کو پڑھیے تو یقین ہو جائے کہ ذریعہ بحث خط کا تعلق سر ہی سے ہے۔

۲۔ خطوط میں اختلاف

نسخہ ملک میں غلطی کی جملہ تعداد ۵۵۸ ہے۔ ملک رام صاحب نے لکھا ہے کہ ہمیش پر شاہ کے ایڈیشن میں جملہ خطوط ۳۵۳ ہیں (۸۷ چنانچہ اس کتاب میں آخری خط پر نمبر شمار ۳۵۳ پڑا ہے۔ لیکن چونکہ مجروح کے نام کے خط نمبر ۳۵ پر گھوٹی شمار کا نمبر ۳۵۱ اور نمبر ۵۰ پر ۳۵۱ ب پڑا ہے، اس لیے نسخہ ہمیش میں غلطی کی جملہ تعداد دراصل ۳۵۳ ہے۔

ہمیش پر شاہ اور ملک رام کی درمیانی منزل غلام رسول سر کا نسخہ ہے۔ گو نسخہ ملک رام نسخہ ہمیش پر شاہ ہی کی اصلاح شدہ شکل ہے، لیکن قول الذکر میں نسخہ غلام رسول سر سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ نسخہ سر میں ”مکتوب غالب“ مرتبہ عرشی اور ”طواریح غالب“ مرتبہ آفاق حسین کو چھوڑ کر جہے سب خطوط، جن تک سر کی رسائی تھی، لے لیے گئے ہیں۔ ذیل میں قول مینوں نسخوں میں خطوط کی تعداد کا ایک چارٹ دیا جاتا ہے۔ نسخہ سر سے صرف وہ مکتوب الیہ لے گئے ہیں جو جہے دونوں نسخوں میں ہیں۔

مکتوب الیہ	نسخہ ہمیش پر شاہ	نسخہ غلام رسول سر	نسخہ ملک رام
۱۔ برگہ پال نقب	۳۳	۳۲	۳۲
۲۔ نبی بخش حشر	-	۲	۵۰
۳۔ جوہر نگار جوہر	۳	۳	۳
۴۔ عہدہ الطیف	-	۱	۲
۵۔ بدرالدین فقیر	۵	۵	۵
۶۔ عبدالملک جنوں	۳۰	۳۰	۳۰
۷۔ الوار اللہ شفق	۴۱	۴۱	۴۱

۴	۴	۴	۸۔ یوسف مرزا
۳	۳	۳	۹۔ یوسف علی خاں عزیز
۲	۲	۲	۱۰۔ احمد حسین میکش
۳۷	۳۷	۳۷	۱۱۔ محمد یوسف علی خاں ماسم
۲۲	۲۲	۲۲	۱۲۔ غلام حسنین قدر بلکرای
۲۳	۲۳	۲۳	۱۳۔ غلام نجف خاں
۵۰	۵۰	۵۰	۱۴۔ ممدی حسین مجروح
۶	۹	۹	۱۵۔ شہاب الدین یاقب
۱۹	۲۰	۱۸	۱۶۔ حاتم علی بیگ سر
۲	-	۲	۱۷۔ ذین العابدین خاں گلن
۵۸	۵۶	۵۶	۱۸۔ علاء الدین احمد خاں طائی
۱	۱	۱	۱۹۔ ۹
۳۵	۳۳	۳۳	۲۰۔ شیو مرزا نین آرام
۱	۱	۱	۲۱۔ ۹

۳۵۸ ۳۱۷ ۳۵۳

میزان

میزان میں دی ہوئی یہ تعداد قدرے کم راہ کن ہے۔ پہلے میرے ذیل کے مشاہدات

ملاحظہ ہوں،

نختہ بانک میں نقشہ کے جام جو خط نمبر ۳۱ ص ۲۳ پر ہے، ہمیش پر خط اور۔  
 غلام رسول مرنے اس کے دوسرے پر انکراف کر ایک خط کے طور پر درج کیا ہے،  
 یعنی نختہ بانک کا نمبر ۳۱ نختہ ہمیش کا نمبر ۶۸، ۶۹ اور نسخہ سر میں نمبر ۳۱، ۳۲ ہے۔  
 نختہ ہمیش کے حاشیے سے معلوم ہوتا ہے کہ "اردوئے معلیٰ" کی پہلی اور دوسری  
 اشاعتوں میں ان دونوں اجزا کو ایک نقشہ مانا گیا ہے اور بعد کی اشاعتوں میں دو نقشے  
 بانک رام صاحب نے اپنے ایڈیشن کے حاشیے میں واضح کیا کہ بعد کی اشاعتوں کی بنا پر

انہیں دو رقعے مانا صحیح نہیں۔ اس طرح دراصل نسخہ مصحف میں قفۃ کے نام ۵۳ اور نسخہ سر میں ۵۱ خطوط ہیں۔

قفۃ کے نام کے خطوط کو لے کر نسخہ مصحف اور نسخہ سر کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ سر میں قفۃ کے نام وہ مشہور خط نہیں جو اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

رکعبہ غالب مجھے اس غنائی میں محاف

آج کچھ درد مرے دل میں ہوا ہوتا ہے

یہ شعر نسخہ مصحف میں نمبر ۱۰۳۰ ص ۳۷ پر ہے اور نسخہ مالک میں نمبر ۳۰ ص ۳۲ پر اس خط کے علاوہ سر اور مالک رام نے قفۃ کے نام ایک خط کو حاتم علی بیگ سر سے منسوب کیا۔ یہ خط نسخہ مصحف میں قفۃ کے نام نمبر ۵۵ ص ۵۷ پر ہے جبکہ غلام رسول سر کے یہاں مرثا حاتم علی بیگ سر کے نام نمبر ۱۰۳ ص ۳۱ پر اور نسخہ مالک میں سر کے نام نمبر ۱۰ ص ۳۵ پر ہے۔ اس طرح نسخہ مصحف سے نسخہ سر میں قفۃ کے نام دو خطوں کی کمی کی مدد مل ہو گئی۔ نسخہ سر اور نسخہ مالک دونوں میں قفۃ کے نام ظاہر ۵۲ خطوط ہیں، لیکن چونکہ نسخہ سر میں نسخہ مالک کے ایک خط سے نمبر ۳۱ اور نمبر ۷۷ دو خطوط ہٹا لیے ہیں، اس لیے نسخہ سر میں نسخہ مالک سے ایک خط کم ہوا اور یہ خط وہی ہے جو ”رکعبہ غالب — ارغ“ سے شروع ہوتا ہے۔

نسخہ مصحف میں قفۃ کے نام ۵۳ خط ہیں۔ ہم نے طے کیا ہے کہ اس کے دو خطوں کے نسخہ مالک میں ایک ہونے کی وجہ سے نسخہ مصحف میں قفۃ کے نام دراصل ۵۳ خط ہیں۔ ان میں سے ایک خط وہ ہے جسے غلام رسول سر اور مالک رام نے قفۃ سے حاتم علی بیگ سر کو منتقل کر دیا۔

مالک رام نے ”مادرۃ غالب“ سے حقیر کے نام کے جملہ ۷۰ خطوط لے لیے۔ ان میں کا آخری یعنی نمبر ۷۰ نسخہ سر کا پہلا خط ہے، لیکن نسخہ سر کا خط نمبر ۲ بنام حقیر موزر ۷ جنوری ۱۸۵۵ء ص ۲۳۳ نسخہ مالک سے حقیر حاضر ہے۔

نسخہ مصحف میں عبداللطیف کے نام کا کوئی خط نہیں۔ نسخہ سر میں ایک خط کا

احاطہ ہوا جو نسخہ بانک میں مں سن پر عبداللطیف کے نام دو سرا خط (مجموعی شمار نمبر ۱۹۷) ہے۔ نسخہ بانک میں عبداللطیف کے نام کا پہلا خط (مجموعی شمار نمبر ۱۹۸) بانک نام کا احاطہ ہے۔

نواب یوسف علی خاں ناظم کے ۳۷ اور صاحب زادہ زین العابدین خاں عرف گلن میں کے نام کے دو خطوط نسخہ صیقل میں "مکتبہ غالب" عرشی سے اور نسخہ بانک میں نسخہ صیقل سے لیے گئے۔ غلام رسول سر نے یہ خط نہیں لیے۔ نسخہ بانک کا مجموعی شمار کا خط نمبر ۲۰۸ یعنی شباب الدین مکتب کے نام کا خط نمبر ۲۰۹ مں نسخہ صیقل میں ہے، نسخہ غلام رسول سر میں۔

نسخہ صیقل میں حاتم علی بیگ سر کے نام ۱۸ خط اور نسخہ بانک میں ۱۹ خطوط ہیں نسخہ بانک اور نسخہ غلام رسول سر میں ایک مزید خط وہ ہے جو نقد کے نام سے ختم کیا گیا یہ خط نسخہ صیقل میں نقد کے نام نمبر ۵۸ ہے، نسخہ غلام رسول سر میں سر کے نام نمبر ۳ اور نسخہ بانک میں حاتم علی بیگ سر کے نام نمبر ۱۱ ہے۔ نسخہ غلام رسول سر میں مرزا حاتم علی بیگ سر کے نام ایک مزید خط ہے جو ان کے نسخے میں مں ۲۱۷ پر نمبر ۲۰ مؤرخہ ۳۰ ستمبر ۱۸۵۸ء ہے اور جو اس جملے سے شروع ہوتا ہے۔

"شفیق با تحقیق مولانا سر ذمہ بے مقدار کا سلام قبول کریں۔"

معلوم نہیں، کیونکہ یہ نسخہ بانک میں شامل نہیں ہوا۔

نسخہ بانک میں عطاء الدین علانی کے نام دو خط نمبر ۳ اور نمبر ۵۳ نیز فیوزان آرام کے نام خط نمبر ۱۸ ایسے ہیں جو نسخہ غلام رسول سر میں ہیں، نسخہ صیقل میں۔ نسخہ غلام رسول سر میں مں ۲۳۵ پر آرام کے نام خط نمبر ۳ کے بعد نمبر ۱۱ ہے، نمبر ۱۵ سوا غالب ہو گیا ہے۔ اس طرح گو نسخہ سر کے آخری خط پر نمبر ۳۵ پڑا ہے لیکن اس میں دراصل آرام کے نام ۳۳ خط ہیں۔

نسخہ صیقل و نسخہ بانک میں دو بھول الام مکتوب ایسوں کے نام دو خط ہیں جو نسخہ بانک میں مجموعی نمبر ۳۴۴ اور ۵۲۸ ہیں۔ ان دونوں پر نام نہیں پڑی ہیں۔ نسخہ سر میں اس طرح کے دو اور خطوط ہیں جن کا مکتوب الہ معلوم نہیں۔ ان پر کوئی تاریخ



نہیں پڑی۔ شاید ملک رام نے انھیں اپنی جلد دوم میں شامل کرنے کا ارادہ کیا ہو۔ چونکہ نسخہ مسیح پر شاہ میں نقشہ کے نام کے دو خطوط دراصل ایک خط کے حصے ہیں، اسی لیے ہم نے طے کیا کہ اس میں جلد ۲۵۳ نہیں ۲۵۴ خطوط ہیں۔ یہ نسخہ ملک کے ۵۴۸ خطوں سے بھر رہا ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

نسخہ ملک کا صفحہ	مکتوب الیہ	مکتوب الیہ کے خطوں کا نمبر شمار	مجموعی نمبر شمار	تعداد
۱۹۷۷۱۱	نبی بخش حشر	۷۷۱	۱۹۷۷۳۳	۷۰
۱۷۳۷۱۵۳	عبداللطیف	۲۷۱	۱۹۷۷۱۹۹	۲
۳۳۱	شہاب الدین احمد خاں مکتب	۶	۳۰۸	۱
۳۷۹	علاء الدین احمد خاں طائی	۴	۳۳۵	۱
۳۳۳	علاء الدین احمد خاں طائی	۵۳	۳۸۹	۱
۳۳۵	شیو مرانن آرام	۱۸	۵۱۰	۱

کل ۷۹

نسخہ ملک کے ذیل کے خطوط نسخہ سر میں نہیں:

نسخہ ملک کا صفحہ	مکتوب الیہ	مکتوب الیہ کا نمبر شمار	مجموعی نمبر شمار	تعداد
۳۳	ہر گوپال نقشہ	۳۰	۳۰	۱
۱۹۷۷۱۱	نبی بخش حشر	۷۷۱	۱۹۱۷۳۳	۶۹
۱۷۳	عبداللطیف	۱	۱۹۹	۱
۲۵۳۷۳۳۷	یوسف علی خاں عالم	۳۷۱	۳۰۷۷۳۷۱	۳۷
۳۳۱	شہاب الدین احمد خاں مکتب	۶	۳۰۸	۱
۳۳۹۷۳۹۵	زین العابدین احمد خاں گھن	۲۷۱	۳۳۳۷۳۳۳	۲
۳۳۳۰۹۷۳	علاء الدین احمد خاں طائی	۵۳۰۴	۳۸۹۰۳۳۵	۲
۳۳۵	شیو مرانن آرام	۱۸	۵۱۰	۱

کل ۱۱۳

مندرجہ بالا مکتوب الہم کے نام کے خطوط میں سے ذیل کے دو خط نسخہ غلام رسول سر میں ہیں لیکن نسخہ مالک میں نہیں۔

نسخہ سر کا صفحہ	مکتوب الیہ	مکتوب الیہ کا نمبر شمار	نمبر
۲۳	نبی بخش حقیر	۲	۱
۲۱۷	مرزا حاتم علی بیگ سر	۹	۱
			کل ۲

نسخہ مالک میں یہ دو خط شاید سوا شامل ہونے سے رہ گئے ہیں۔ چونکہ مسیح پر شاہ کے ایڈیشن کی اشاعت تک نبی بخش حقیر کے خطوط کا مجموعہ "بادرات غالب" شائع نہیں ہوا تھا، اس لیے انھیں چھوڑ کر مالک رام نے مزید چھ خطوط ہی اضافہ کیے۔ اسی طرح غلام رسول سر نے چونکہ قصداً "مکاتیب غالب" (عرشی) اور "بادرات غالب" کے خطوط شامل نہیں کیے، اس لیے انھیں چھوڑ کر مالک رام نے مزید آٹھ خطوط ہی دیے۔

خطوں کی بارہ بخشیں

غالب نے اپنے بست سے خطوں میں بارہ بخشیں نہیں دی تھیں۔ بعض میں تاریخ یا کالی قحی، مظاہرین یا مسیحا تھا لیکن سال ندارد۔ غشی مسیح پر شاہ نے حتی الامکان بارہ بخش معلوم کیں اور اپنی دریافت کو خط کے آخر میں قوسین میں دیا۔ چونکہ اس جلد میں مفصل حواشی نہیں، اس لیے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ مسیح پر شاہ نے جو بارہ بخشیں طے کیں، ان کی کیا بنیاد تھی۔ ان کے بعد غلام رسول سر نے بھی اپنے نامے میں خطوں کی بارہ بخشیں طے کی ہیں، لیکن انھوں نے جگہ جگہ میں اپنے فیصلے کی وجہ لکھ دی ہے۔ امید ہے کہ مالک رام صاحب نے اپنے نسخے کی ترتیب کے وقت نسخہ مسیح کی بارہ بخشوں کا لازماً اور نسخہ سر کی بارہ بخشوں کا غالباً جائزہ لیا ہوگا۔ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"جن خطوں کے بارے میں تاریخ کی تصحیح ہو سکی، ان کا مقام بدل دیا۔" (۱۷۱)

یہ دعویٰ درست ہے۔ انھوں نے چند خطوں کی بارہ بخشوں میں ترتیب کی۔ چند خطوں میں نسخہ مسیح میں تاریخ نہ تھی، انھوں نے دریافت کر کے درج کی۔ میں نے نسخہ مسیح اور نسخہ مالک کی بارہ بخشوں کا بلاشبہ تھوڑی مطالعہ کیا ہے، لیکن عجیب

نظام رسول مر کا نسخہ بعد میں ملا۔ اس میں پیش تر میں "نے انھیں خطوط کی تاریخ دیکھی ہے جن کے بارے میں ہمیشہ و نسخہ مالک میں اتفاق نہیں۔ ذیل میں تینوں نسخوں کے اختلافات درج کرتا ہوں۔ خطوں کا نمبر ہر مکتوب الیہ کے شمار کے مطابق ہے۔ ترتیب نسخہ مالک رام کے اعتبار سے کی گئی ہے۔

(جدول صفحہ ۱۵۳ پر ملاحظہ کی جائے)

اوپر کی جدول میں فقہ کے نام کے پورے خط کی کیفیت یہ ہے کہ عینوں حضرات نے متن میں ۱۳۱ اکتوبر ۱۸۵۱ء تاریخ درج کی ہے۔ صمیش پر خط اور مالک رام دونوں نے یہ حاشیہ بھی لکھا ہے کہ "اردو سے معنی" کی پہلی اور دوسری اشاعت میں ۱۸۵۱ء درج ہے۔ اس پر مالک رام نے مزید حاشیہ دیا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ ظاہر ہے کہ قدیم تر اشاعت زیادہ معتبر ہوتی ہے لیکن مالک رام کو چاہیے تھا کہ وہ متن میں ۱۸۵۳ء درج کرتے اور فٹ نوٹ میں ۱۸۵۳ء۔

دو ایسے خطوط ہیں جن پر نسخہ صمیش میں تاریخ درج ہے لیکن نسخہ مالک رام میں نہیں۔ مجموع کے نام کے خط نمبر ۱۱ پر اصلاً تاریخ نہ تھی، صمیش پر ۱۸۵۵ء ملے کی، نظام رسول مرنے اپنے مجموعے میں اسی کو درج کر دیا۔ مالک رام نے اس خط پر کوئی تاریخ نہیں دی جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مطمئن نہیں کہ یہ خط بالیقین ۱۸۵۵ء ہی کا ہے۔ صاحب زادہ زین العابدین خاں عرف بھن میاں کے نام کے خط نمبر ۲ پر صمیش پر شاہ نے تاریخ دیا ہے اور مالک رام نے نہیں۔ یہ مالک رام صاحب کی صریح فرمائش ہے، کیونکہ یہ خط "مکتبہ طاب" مرتبہ مولانا عرژا سے لیا گیا ہے اور وہاں اس پر صاف صاف ۱۲ مارچ ۱۸۶۵ء درج ہے۔ (۱۰۰)

اس طرح نسخہ مالک رام میں نسخہ صمیش کے ۱۲ خطوں کی (ازین العابدین خاں کے خط کو چھوڑ کر) تاریخ میں ترتیب کی گئی ہے۔ نظام رسول مر کی درج کردہ بعض نامہ بھنوں میں بھی تہریل ہے، ان میں سے چار مثالیں ایسی ہیں جہاں سر تاریخ ملے نہ کر سکے لیکن مالک رام نے کر دی۔

خط چونکہ تاریخ دار ترتیب دیے گئے ہیں، اس لیے تاریخ بدلنے کے ساتھ نسخہ مالک

میں ترتیب بھی بدل گئی ہے۔ تائید کے علاوہ بھی نسخہ مالک میں بعض خطوں کی ترتیب نسخہ میٹھی سے بدلی ہوئی ہے، مثلاً نسخہ مالک کے مندرجہ ذیل خطوط کی،

نمبر ۵۹۰، ۵۹۱ اور اس کے آس پاس کے خطوط ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴

ان میں یا تو تائید نہیں دی یا صیحا اور سہل ہے، لیکن صحیح تائید نہیں۔ پھر بھی نسخہ میٹھی کے مقابلے میں ان کی ترتیب مختلف ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ گو مالک رام قطعی تائید ملے نہ کر سکے لیکن خطوں کے مضمون کی بنا پر تھوڑے و ناٹھیر کی مختلف تعبیر کر سکے۔ لیکن نسخہ مالک میں ص ۲۴۷ سے ۲۴۸ تک ملائی کے نام کے نمبر ۱۰۹ کی ترتیب نسخہ میٹھی کے برعکس ہے جس کا جواز کچھ میں نہیں آتا۔ نمبر ۱۰۹ کی تائید جون ۱۸۷۱ء ہے اور نمبر ۱۰ کی تکم جون ۱۸۷۱ء۔ ظاہر ہے کہ نمبر ۱۰ جون کے مہینے میں تکم کے بعد کی کسی تائید کے بعد ہو گا، اس لیے ظاہراً اسے نمبر ۱۰ سے مؤخر رکھنا چاہیے۔

”خطوط غالب“ کے ایک حالیہ محقق، کاظم علی خاں ہیں۔ ان کی کتاب ”خطوط غالب کا تحقیقی مطالعہ“ ۱۹۷۱ء میں کتاب نگر لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ انھوں نے مختلف مجموعوں میں ”خطوط غالب“ کی تائیدوں سے بحث کی ہے۔ انھیں میں جن صفحات کا ایک مضمون ”خطوط غالب مرتبہ مالک رام میں خطوط کی تائید نہیں“ ہے۔ یہ اصلاً ”سرفراز“ لکھنؤ، مؤرخہ ۲ اپریل ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ مضمون میں لکھا ہے کہ مالک رام صاحب کے ایڈیشن میں تائیدوں کے اعداد و اہات کی متحدہ فروگزاشتیں ملتی ہیں جن میں سے ”متحدہ مثالیں انھوں نے درج کی ہیں (ص ۱۷۱)۔

ان مثالوں میں بیش تر یوم و تائید جیسوی میں، ازراہ تقویم، ایک دن کے فرق کی نشان دہی کی ہے۔ جیسا کہ پیچھے غالب کی تائید ولادت والے مضمون میں لکھا گیا، نہ صرف ایک بلکہ بعض اوقات تین دنوں تک کا فرق ہو سکتا ہے۔ کاظم علی خاں نے انجمن ترقی اردو کی ایوٹنر محمد حامدی کی تقویم استعمال کی ہوگی جبکہ مالک رام دیوان بہادر ایل ڈی سوای کنوے کی Indian Ephemeris (۱۸۵۰ء) کو سب سے زیادہ قابل اعتبار مانتے ہیں ”مثلاً غالب“، طبع دوم، ص ۱۵۷۔ ایک دن کے فرق سے قطع نظر کاظم علی خاں کی نشان دہی بعض صحیحات کو اپنے مشاہدات کے ساتھ پیش کرتا

ہوں۔

۱۔ "خطوط غالب" ص ۷۹ - ۸۹ پر مکتوب نمبر ۷۱ بنام قند ہے۔ اس کے آخر میں تاریخ ۲ شعبہ ۲۳ اگست درج ہے، "سہ نہیں"۔ پیش پر شاہ اور غلام رسول مرنے اس کا سہ ۱۸۵۸ء لکھا، ملک رام نے ۱۸۵۹ء - ڈاکٹر خلیق النجم نے بھی غالب کے خطوط (جلد اول، ص ۸۳ تا ۸۸) لکھا ہے۔ کاظم علی خاں دن کی رعایت سے ۱۸۵۸ء کو صحیح اور ۱۸۵۹ء کو غلط ٹھہراتے ہیں (تحقیقی مطالعہ، ص ۷۳۱)۔ ان حضرات نے اس خطے پر وحیان نہیں دیا۔

"اگر دجنبو کو سراسر خود سے دیکھو گے تو اپنا نام پڑے گا۔"

دجنبو نومبر ۱۸۵۸ء سے شروع میں چچی - غالب نے ۲ نومبر ۱۸۵۸ء کو پہلی بار مطبوعہ جلد دیکھی (معین الرحمن، علی سرایہ، ص ۷۷۳)۔ اس سے ظاہر ہے کہ قند کے نام پر خط اگست ۱۸۵۸ء میں نہیں، اگست ۱۸۵۹ء ہی میں لکھا گیا ہو گا۔  
 "خطوط غالب" ص ۱۷۳ پر غشی عبداللطیف کے نام کے خط پر تاریخ ۱۹ دسمبر ۱۸۵۸ء درج ہے جبکہ قن خط میں صاف لکھا ہے "آج ۱۹ دسمبر ہے"۔ ڈاکٹر خلیق النجم نے بھی دسمبر درج کی ہے (جلد سوم، ص ۷۳۱)۔ صاف ظاہر ہے کہ ملک رام کے ایڈیشن میں ۱۹ دسمبر سو کتابت ہے۔

۲۔ خط نمبر ۳۳۳ بنام مجروح (ص ۷۳۱) پر فردی ۱۸۵۹ء درج ہے۔ خط کے مندرجات اسے ۱۸۵۹ء کا مکتوب بتاتے ہیں۔ کاظم علی خاں کا اعتراض درست ہے۔ خط میں صاف لکھا ہے،

"یہ فردی سہ ۱۸۵۹ء، بامیسواں، مینا ہے" (ص ۷۳۱)۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس خط کے بھی آخر میں ۱۸۵۹ء سو کتابت ہے۔

۳۔ خط نمبر ۵۱۵ بنام شیہ زمان آرام (ص ۷۳۱) کے آخر میں ۳۱ جولائی ۱۸۵۹ء درج ہے، جبکہ "اردوئے معلیٰ" میں اس کی تاریخ ۲۳ جولائی ۱۸۵۹ء ہے جو صحیح ہے (تحقیقی مطالعہ، ص ۷۳۱)۔ کاظم علی خاں کا فرمانا بجا ہے۔ خلیق النجم نے بھی اس کی تاریخ ۲۳ جولائی ۱۸۵۹ء لکھی ہے (جلد سوم، ص ۷۳۱)۔ ۲۳ جولائی کو ۳۱ جولائی کا، مطوم نہیں مرقب کا سو ہے کہ کاف کا۔

## حواشی

مسیح پر شاد اور ملک رام دونوں کے نسخوں میں فٹ نوٹ میں کچھ حواشی دیے ہیں جو بہت مختصر ہیں۔ پیش تر ان کا تعلق اختلاف نسخ سے ہے۔ نسخہ مسیح میں ان حاشیوں کے معتقین انکس ہیں۔

۱۔ غلب۔ " اردوئے معلیٰ " اور " حود ہندی " میں کچھ حاشیے ملتے ہیں جن کے بارے میں یقین کیا جاسکا کہ وہ غلب کے لکھے ہوئے ہیں۔ انہیں نسخہ مسیح میں برقرار رکھا گیا ہے اور ان کے آگے " ج " لکھ دیا ہے، مثلاً نسخہ مسیح میں ص ۳۲۰ اور نسخہ ملک میں ص ۳۷۸ کا حاشیہ۔

۲۔ بعض حواشی مسیح پر شاد کے لکھے ہوئے ہیں۔

۳۔ زیادہ تر حواشی عبدالستار صدیقی کے ہیں اور ان کے آخر میں " ج۔ م " یا " مسیح " لکھا ہوا ہے۔

نسخہ ملک میں نسخہ مسیح کے کم از کم سات حاشیوں کو چھوڑ کر جیسے کو لے لیا گیا ہے سات محذوف حواشی یہ ہیں۔

نسخہ ملک کا متوازی صفحہ

۳۹

۱۹۹

۳۳

۲۸۳

۳۳

۳۴۰

۳۷

۳۵ کا حاشیہ نمبر ۳۰۳

۱۸۸

۱۳۵

۳۶۷

۳۹۹

ان حاشیوں کو لے لینے کی کچھ وجوہ ہیں، یعنی یا تو انہیں نسخہ ملک کے متن میں شامل کر لیا ہے یا ملک رام ان سے متعلق نہیں۔

نسخہ مسیح میں عبدالستار صدیقی نے اپنے مقدمے میں " اسد راک " کے عنوان سے



”پہلی جلد کا تقریباً کیا ہوا مسودہ“ کیا بخندوستانی آکٹوی سے ۱۹۳۱ء میں شائع ہونے والی جلد سے متن تر کا پر لیں کا مسودہ ہے یا مسیح پر شاہ کی مطبوعہ کتاب پر مزید تقریباً کیا ہوا پہلی صورت مشکل ہے، کیونکہ کاتب کتابت کرتے وقت مسودہ کی جلد اکھاڑ دیتا ہے اور طباحت کے بعد اس کے منتشر اور اوراق نوخر اوخر ہو جاتے ہیں عبدالستار صدیقی نے مطبوعہ جلد تول پر تقریباً کی ہوگی اور اس میں حواشی کا اضافہ کیا ہو گا۔ کیا بعید ہے کہ ان میں سے بعض حواشی کے باواسطہ مصنف اصلی مالک رام ہی ہوں۔ مالک رام ”ہمدانی زبان“ کے مضمون میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے نسخہ مسیح کی اشاعت کے بعد اس نسخے کے بعض اغلاط مسیح پر شاہ کو کھ بھیجے تھے۔ مسیح پر شاہ نے وہ خط عبدالستار صدیقی کو دے دیا جس کا ذکر خود صدیقی صاحب نے مالک رام سے کیا۔ (۱۳۱) اگر صدیقی صاحب نے مسیح پر شاہ کی مطبوعہ جلد پر تقریباً کی ہوگی تو مالک رام کے نشان زدہ اغلاط کی فٹ نوٹ میں ہاتھ سے اصلاح کر لی ہوگی۔ اس طرح عین ممکن ہے کہ نسخہ مالک کے جن مزید حواشی کے آگے ”ع م“ لکھا ہے ان میں سے بعض مالک رام کے محمولہ بلا خط سے لیے گئے ہوں گے اور جو نئے حواشی عبدالستار صدیقی ہی کی تصنیف ہیں، کم از کم انھیں معرض اشاعت میں لانے کا سوا نسخہ مالک رام کے سر ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ خطوط غالب کے دونوں ایڈیشنوں کے حواشی نہایت مختصر اور خیرام ہیں۔ میں نسخہ مالک کے چند حواشی کے بارے میں دو لفظ عرض کرنا چاہتا ہوں۔  
۱۔ نسخہ مالک میں ص ۳۰۰ پر خط نمبر ۳۳۳ بنام مجروح میں نسخہ میں کا نوٹ نقل کیا ہے کہ

”میں نے غلطی سے اس خط کے ساتھ خط ۲۹۸ کو ملا دیا ہے۔“

نسخہ مسیح کے لیے نمبر ۲۹۸ صحیح تھا لیکن نسخہ مالک میں ۲۹۸ یوسف علی خاں کے نام ہے۔ نسخہ مسیح کا ۲۹۸ نسخہ مالک میں دراصل نمبر ۳۶۸ ہے اور یہی گھٹنا چلیبہ تھا اس چونک سے قطع نظر نسخہ مالک میں خط ۳۶۸، ۳۸۷ وغیرہ کے حواشی میں دوسرے خطوں



کے حوالے ہیں اور ان میں نسخہ مصیث کے خط کا نمبر درست کر کے لکھا ہے۔  
۲۔ نسخہ مصیث میں مں ۲۴ پر بھجورج کے نام کے ایک خط کی عبارت ہے،  
”انگریزی سرکار سے دس ہزار روپے سال ٹھہرے۔ اس میں سے تجھ کو  
ٹے ساڑھے سات سو روپے سال۔ ایک صاحب نے دے دیے مگر میں ہزار  
روپے سال۔“

آخری جیلے پر عبدالستار صدیقی کا خط لکھتے ہیں:

”اس جیلے کا مطلب کچھ صاف نہیں۔ ع۔ مں۔“

میر نے اپنے نسخے میں اس عبارت کو یوں صحیح کر کے لکھا:

”انگریز کی سرکار سے دس ہزار روپے سالانہ ٹھہرے۔ ایک صاحب نے دے

دیے مگر میں ہزار روپے سال۔ اس میں سے تجھ کو ٹے ساڑھے سات سو

روپے سال۔“ (مں ۲۸۸)

عبارت کا جھول نکل گیا۔ میر نے عبدالستار صدیقی کا خطی نکل دیا کہ وہ اب غیر ضروری  
تھانہ ملک رام نے بھی مں ۳۱۳ پر جملوں میں سرکی ترتیب رکھی لیکن ”سالانہ ٹھہرے“  
کی جگہ نسخہ مصیث کی طرح ”سال ٹھہرے“ لکھا اور انھوں نے بھی نسخہ مصیث کا خطی  
نہیں دیا۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ نسخہ ملک میں آنکھ موند کے نسخہ مصیث کا متن نقل  
نہیں کیا گیا بلکہ حسب ضرورت اس میں اصلاح و ترمیم کی گئی ہے۔

۳۔ مں ۱۰۳۸ ع، جز دلچ غم زیادہ نبودہ ست کام ما۔ اس غزل کے لیے نسخہ مصیث  
میں مں ۳۳۲ پر عبدالستار صدیقی نے خطی لکھا کہ ”یہ کلیات میں نہیں ہے۔“ میر نے  
اپنے نسخے میں مں ۲۷ پر یہ خطی حذف کر دیا ہے۔ ملک رام نے اپنے نسخے میں مں ۳۸۱  
پر ”مجھے تر کاہی لکھا کہ“ ”یہ سد چین میں ہے۔“ ”وہ“ ”سد چین“ کو مرقب کر چکے تھے  
اس لیے کہ اس کے عارف تھے۔

۴۔ ملک رام کا مں ۳۳۷ کا لوٹ بہت مفصل اور پُرآواز مغلطہ ہے۔

۵۔ فیوضات آرام اگر سے ہے آپ پندہ روزہ رسالہ ”عبید اللہ“ لکھتے تھے

نسخہ بانک میں م ۳۳۱ کے دو خطوں نمبر ۵۱۲ + ۵۱۴ میں غلطی سے اس کا نام "معیار الاشعار" چھپ گیا ہے۔ یہ صرف نسخہ مسیحی اور نسخہ بانک میں نہیں بلکہ ان کے نسخہ میں بھی ہے۔ "معیار الاشعار" تحقیق طوسی کی کتاب کا نام ہے۔ نسخہ مسیحی میں م ۳۳۲ پر عبدالستار صدیقی کا نوٹ ہے، "غالباً وہی معیار الشعرا مراد ہے"۔ یہ ضروری نوٹ نسخہ بانک میں سو کتابت کی وجہ سے حذف ہو گیا ہے، کیونکہ دونوں خطوں میں "معیار الاشعار" پر حوالے کا نشان (۵۱) بنا ہے لیکن فٹ نوٹ میں اس کی صراحت مذکور ہونے سے رہ گئی۔

### مقدمہ

مرقب متن سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایک مختصر مقدمہ بھی لکھے گا جس میں اس متن سے متعلق ضروری معلومات دے گا، بالخصوص ان قلمی اور مکتوبہ نسخوں کی تفصیل جن کو اس نے جتنی نظر رکھا ہے۔

مسیحی پرشاد نے اپنے دیباچے میں صرف ان ذرائع کا ذکر کیا جن سے انھیں مختلف خطوط ملے۔ متن کا مقدمہ لکھنے کا کام انھوں نے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے سپرد کر دیا۔ مسیحی پرشاد کو باہرین قابلیت میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن غالب کے سلسلے میں انھوں نے صرف اس کتاب کے سوا کوئی کام نہیں کیا۔ چند مضامین ہو سکتے ہیں، لیکن کتاب صرف یہی ہے جس میں انھوں نے یہ کام کیا کہ "اردوے معلیٰ" اور "معدود ہندی" کے ساتھ ساتھ کچھ دوسرے ذرائع سے بھی خطوط حاصل کیے۔ ان میں سے جن کی تاریخ کا تعین کر سکے، کیا اور انھیں تاریخی ترتیب سے مرقب کیا۔ معلوم ہوتا ہے، انھوں نے متن کی بھی کسی قدر تصحیح کی، کیونکہ ان کے ایڈیشن کے متعدد حواشی کے آگے عبدالستار صدیقی کا نام نہیں۔ اور اس کے بعد مسیحی پرشاد نے خود اعتمادی کی کئی دکھائی۔ یہ کیسے باہر قابلیت تھے کہ اپنا حیار شدہ متن نظر ثانی کے لیے، نیز مقدمہ لکھنے کے لیے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کو دے دیا؟ حد یہ ہے کہ دوسرے ایڈیشن کے لیے بھی وہ مرقب کا یہ فریضہ عبدالستار صدیقی کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر صدیقی اپنے خط، مؤرخہ ۲۷ اپریل ۱۹۶۵ء، بنام عقیل حسن موسوی، میں لکھتے ہیں،

”غشی صبیح پر شاہ مرحوم کی خواہش تھی کہ پہلے کی طرح اب بھی میں ہی کتاب کی نگہبانی اور نظرِ مانی کا کام انجام دوں۔“

(۳۱ دسمبر، تحقیق اور ملک رام، ۱۰ ص ۱۲۲)

صدیقی صاحب عربی فارسی کے عالم تھے، لیکن غائبیات ان کا خصوصی موضوع نہ تھا۔ مطوم ہوتا ہے، متن کی درستی۔ انھوں نے صبیح پر شاہ سے کم محنت نہیں کی، کیونکہ انھوں نے بھی خطوط کے ان تمام مجموعوں کو سلسلے رکھا جن سے صبیح پر شاہ نے ترتیب دی تھی۔ اپنے مقدمے میں عبدالستار صدیقی نے ان نمونوں کی تفصیل دی ہے۔ عبارت متن کے بعد انھیں جو غلطیاں دکھائی دیں، وہ انھوں نے مقدمے ہی میں ”اسدراک“ کے عنوان سے لکھ دی ہیں۔

مقدمے میں انھوں نے اٹلاے غالب کی خصوصیات بھی لکھائی ہیں۔ ستم یہ کیا ہے کہ مطبوعہ ایڈیشن میں غالب کے اٹلا کی اس حد تک چوری کی ہے کہ حشر کو باطروف ہی چھاپا ہے، یعنی، اوس، اودھر، اوتھ، اوتھا، وغیرہ۔ یہ کبھی پرکھی مارنے کے مترادف ہے۔ غالب کا اٹلا غالب کے عہد کے لیے تھا۔ آج کے عہد میں ہر مصنف کی نگارشات آج کے اٹلا میں لکھی جائیں گی، بشرطے کہ اس سے غلط میں کوئی تہیہ نہ ہو۔

ڈاکٹر صدیقی اطلاع دیتے ہیں،

”خطوط غالب کی دوسری جلد کے آخر میں کچھ خیمے اور اضافے ہوں گے۔

انھیں میں ایک لبرسٹ خٹوں کی ہوگی اور اس میں ہر خط کے متعلق یہ بتایا

جائے گا کہ وہ کہاں سے لیا گیا ہے۔“ (مقدمہ، ۱۰ ص دی)

افسوس کہ دوسری جلد ختم نہ ہو سکی۔

ڈاکٹر خلیق انجم اطلاع دیتے ہیں،

”دوسری جلد کا مستودہ انجمن نے حاصل کر لیا تھا۔ بد نصیبی سے دوسری جلد

کا مستودہ انجمن سے گم ہو گیا۔“

(۱۰ غالب کے خطوط، جلد اول، ۱۰ ص ۱۲۲، ص ۱۲۳)

بلک رام کے ایڈیشن میں سمیش پر شاہ کا سہاچہ موجود ہے، لیکن اس سے مفید تر عبدالستار صدیقی کا مقدمہ غیر حاضر ہے۔ انجمن کے جرنل، سیکرٹری سرور صاحب نے ایک مختصر تعارف لکھ دیا اور بس۔ کتاب کی طباعت اچھی نہیں لیکن پُر از اظلاط بھی نہیں۔ ایک لمبی خط میں ڈاکٹر صدیقی نے اس کتاب کی جو تحقیریں کی ہیں اس کا جواز کچھ میں نہیں آتا۔ کراچی کے عقلی حسن موسوی کو انھوں نے ۸ اپریل ۱۹۶۵ء کو ایک خط لکھا جو ”تحریک“ مارچ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔

ایک انتہا جس۔

”اب جو کتاب چھپ کر آئی اور ایک نسخہ مجھے ملا تو کیا لکھوں کہ کچھ پر کیا بہت گئی۔ ظاہر تو جیسا کچھ ہے وہ سب پر عیاں ہے، باطن اس سے کہیں زیادہ خراب اور سڑکا۔ خط غلط، معنی غلط، انشا غلط، اظلاط غلط، صحت کا لحاظ نہ آنا، آواز کا پتا۔ حواشی میں مختلف موجود، البتہ ان کی حیثیت طلسمات کی سی ہو کر رہ گئی۔ جو وضاحتیں کتاب کے ہندوستانی اکیڈمی والے ایڈیشن میں میرے معروضات کے ذریعے ہوتی تھیں وہ یک قلم خارج۔ اب اس ظلم کو کھولے تو کون اور کھلے تو کیونکر؟“

(۲۰ اردو تحقیقی اور بلک رام، ص ۵۵)

ان کے اعتراضات بڑی حد تک بجا ہیں، لیکن لہجے کی سختی کی نفسیاتی وجہ یہی ہوگی کہ نسخہ سمیش پر شاہ کے اوپر اعتراف تھا کہ عبدالستار صدیقی نے نظر ثانی کی، مزین کا مقدمہ شامل کتاب تھا۔ انجمن کے ایڈیشن میں ان کا مقدمہ بھی نہیں اور نظر ثانی والا فقرہ بھی نہیں۔ ان کے مقدمے کے فقدان کے باعث آئندہ کا پتا بھی نہ ہوا اور حواشی کے مختلفات کی وضاحت بھی جاتی رہی یعنی ع م۔ م ۱۔ م ۲۔ ع۔ ع م۔ مسج و غیرہ سے کیا اشارہ ہے، واضح نہ ہوا۔ مطوم نہیں، ان کا مقدمہ سرور صاحب کے فیصلے کے تحت نکالا گیا یا بلک رام کے ایما پر۔ اگر بلک رام کوئی مفصل مقدمہ لکھتے تو مسج اول کے مقدمے کو خارج کرنے کا جواز تھا۔

بلک رام نے مقدمہ کیوں نہیں لکھا؟

”تحریک“ دسمبر ۱۹۴۵ء میں ادارتی نوٹ کے سلسلے میں سرور صاحب کا ایک خط چھپا جو ”اردو تحقیق اور مالک رام“ کے ص ۱۸ پر ہے۔ اس خط، عبدالستار صدیقی کے خط (”تحریک“ مارچ ۱۹۴۵ء) اور مالک رام کے مضمون (”ہمدی زبان“ ۸ مارچ ۱۹۴۵ء) کی مدد سے اس ایڈیشن کی جو سرگزشت تکمیل ہوتی ہے وہ یوں ہے۔

۱۹۴۱ء میں نسخہ صمیش پر شاہ جلد اول شائع ہوئی۔ مالک رام صاحب اس وقت مصر میں مقیم تھے۔ صمیش پر شاہ نے ایک جلد انھیں تحفہ بھیجی۔ مالک رام صاحب کو اس میں جو اظہارِ نظر آئیں، انھیں لکھ کر مصنف کے پاس بھیج دیا۔ صمیش پر شاہ کا انتقال اگست ۱۹۵۱ء میں ہوا۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک رام صاحب نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ خطوطِ غالب کی ترتیب مثنیٰ کرنا چاہتے ہیں عبدالستار صاحب نے اس امر کو پوشیدہ رکھ کر انجمن ترقی اردو کو تجویز کی کہ اس کام کے لیے مالک رام کو کما جائے۔ ۱۹۵۶ء کے آخر یا ۱۹۵۷ء کے شروع میں انجمن نے مالک رام کو ”خطوطِ غالب“ کی دونوں جلدیں نئے سرے سے مرتب کرنے کا کام سونپا اس سلسلے میں انھیں صمیش پر شاہ کی ترتیب دی ہوئی اور عبدالستار صدیقی کی نظر مثنیٰ کی ہوئی دونوں جلدوں کے مسودے سونپ دیے گئے۔ میرا خیال ہے کہ جلد اول مطبوعہ پر ترمیم و اضافے رہے ہوں گے اور جلد دوم کا ہاتھ سے لکھا مسودہ ہو گا۔

صمیش پر شاہ کی جلد اول کے اسقام سے وہ پہلے ہی واقف تھے۔ انھوں نے اسی سال پہلی جلد مرتب کر دی اور ڈاکٹر گوپی چند ہارنگ کی مدد سے ۱۹۵۷ء کے آخر تک کتابت مکمل کرا دی۔ کتابت کی ہوئی کاپیاں انجمن کے سپرد کر کے وہ اپریل ۱۹۵۸ء میں ہندوستان سے باہر چلے گئے۔ انھوں نے سوچا تھا کہ جب طباعت ہوگی، مقدمہ لکھ دیں گے۔ انجمن کے کاموں کے لیت و لعل سے سب واقف ہیں۔ کتابت کی کاپیاں کئی سال پڑی رہیں۔ پھر احساس ہوا کہ طباعت میں بہت زیادہ اتوا ہو گیا ہے۔ انجمن نے مالک رام صاحب کی عدم موجودگی اور لاعلمی میں ۱۹۵۳ء میں طباعت کرا دی، گو کتاب پر ۱۹۵۳ء درج ہے۔ طباعت و اشاعت کے بعد ان کے یورپ کے چنے پر انھیں

کوئی جلد بھیجی بھی نہیں گئی۔ ۱۹۴۴ء میں جب وہ ہندوستان آئے اور انہوں نے لکھنؤ جامعہ بمبئی کی دکان پر مطبوعہ جلد دیکھی تو انہیں معلوم ہوا کہ کتاب چھپ گئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انجمن نے ان سے کہا ہی نہیں کہ وہ کتاب پر مقدمہ لکھ کر بھیج دیں۔ یورپ چٹھی لکھی جا سکتی تھی اور یورپ میں بیٹھے بیٹھے بھی مقدمہ لکھا جا سکتا تھا لیکن ان سے کسی نے کہا ہو جب تو۔

### انجمن کے ایڈیشن کا مرتب ؟

اعتراف کیا گیا ہے کہ اس ایڈیشن پر مرتب کی حیثیت سے مہیش پرشاد کا نام کیوں درج نہیں اور ملک رام کا نام کیوں درج ہے۔ منجملہ دوسرے حضرات کے سرور صاحب تک کا یہ حقیقہ ہے۔

موراصل ملک رام نے یہ خط مرتب نہیں کیے<sup>۳۱</sup>۔ (۱۹۱۱ء)  
کسے، ذرا دیکھیں کہ کیا یہ ایڈیشن مہیش پرشاد کا شوق ہے یا ملک رام نے اس کی تشکیل نو کی ہے۔ تم از کم سرور صاحب تو یہی کہتے ہیں کہ ملک رام نے مہیش پرشاد کے نسخے کی صرف طباعت کی تصحیح کی۔ لکھتے ہیں۔

”کتاب، عرصہ ہوا، ملک رام کو نیا ایڈیشن تیار کرنے کے لیے دی گئی تھی

وہ طباعت کی تصحیح کر کے گوئی چند بارنگ کو کتاب دے گئے“۔ (۱۹۲۱ء)

لیکن مارچ ۱۹۴۴ء میں، جب اس کتاب کے بارے میں ان کا حافظہ تازہ تھا، ان کی رائے مختلف تھی۔ اپنے تعارف میں لکھتے ہیں:

”خطوط غالب کے نئے ایڈیشن کی تیاری آسان نہ تھی۔ نظام رسول مر

نے اس عرصے میں ان خطوط سے بھی فائدہ اٹھاتے ہوئے دو جلدوں میں

غالب کے خطوط یک جا کر دیے تھے۔ پھر کچھ نیا مواد بھی ملنے آیا تھا، مگر

ملک رام صاحب نے نہایت چل فطانتی سے سارے کام کا جائزہ لیا۔ جہاں

جہاں ضروری سمجھا، اہم واقعات کی صحت کی، جہاں اضافہ مناسب معلوم ہوا

اضافہ کیا اور اس طرح ایک ایسا ایڈیشن تیار کر دیا جسے غز کے ساتھ پیش کیا

جا سکا ہے۔ اس طرح ۷ صرف غالب کے ان خطوط کا ایک صحیح ایڈیشن تیار ہو گیا بلکہ مولوی سمیٹ پر شاہ مرحوم کے کام کا بھی مناسب اعتراف ہو گیا۔  
(۱۰ خطوط غالب، "مرتبہ ملک رام)

جو یہ سب کرے، اسے مرقب کہنے میں کیا ٹائل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ پیچھے تفصیل دی جا چکی ہے، اس ترتیب میں ملک رام صاحب کا بہرہ یہ ہے۔

۱۔ یہ خطوط کا اضافہ کیا جن میں سے ۷۰ سالواراتِ غالب سے لیے دو غلام رسول مر کے نسخے سے اور چار دوسرے ماخذوں سے۔ ان میں سے چند غیر مطلوبہ تھے جو خود ان کے ذمے سے لیے گئے۔ (۱۱ ما)

۲۔ نسخہ مصر سے لے کر ایک مکتوب الیہ کا عقد احتساب درست کیا۔

۳۔ ۴ خطوں کی تباہیوں میں ترمیم و اصلاح کی اور اس کی مناسبت سے خطوں کی ترتیب بھی بدلی۔

۴۔ کم از کم ۹۹ حواشی بڑھائے۔

۵۔ بعض خطوں کے متن کی درستی کی۔

اتنی تبدیلیوں کے بعد انجمن کا ایڈیشن "سمیٹ پر شاہ کے ایڈیشن کی دوسری جلد چھاپ نہیں رہتا، اور ملک رام مرقب کا درجہ پا جاتے ہیں۔ ذرا دیکھیں کہ دوسرے متون کے مرتبین یعنی نے کیا کیا ہے۔

۱۔ کلیاتِ ولی کا پہلا ایڈیشن احسن مارہروی نے ترتیب دیا تھا۔ دوسرے ایڈیشن کے مرقب ڈاکٹر نور الحسن باغی ہیں۔ انھوں نے متن میں کچھ ترمیم و اضافہ کیا ہے اور احسن کا طویل مقدمہ خارج کر کے ایک مختصر مقدمہ لکھا ہے۔

ب۔ ڈاکٹر خلیق انجم اور گیتی چند ہارنگ نے عبدالحق کی "معراج العاشقین" کو اپنے مقدمے اور اپنے نام سے شائع کیا۔ خلیق انجم نے خواجہ بندہ نواز کی کچھ منظومات کا ضرور اضافہ کیا۔

ج۔ ضمیمہ انمولوی نے عبدالحق کے "سب رس" کو اپنے مقدمے کے ساتھ شائع

کر کے اپنی ترحیب قرار دیا۔

د۔ ڈاکٹر عہدوت برٹولی نے عبدالہادی آسی کی "کلیات میر" ، مسج الزلیں کے "مرثی میر" اور میری دریافت کردہ عین نئی فتویوں کو شامل کر کے جہوں کا جہوں چھاپ دیا۔

و۔ ڈاکٹر مسج الزلیں نے مسعود حسن رضوی کی "اندر سہما" کے متن کو اپنے مقدمے کے ساتھ اپنے نام سے شائع کیا۔

د۔ ذکی کاکوودی نے مسعود حسن رضوی کی مرتبہ "فسائے عبرت" کو خفیف سی ترمیم کے ساتھ اپنے نام سے شائع کیا۔

ز۔ ڈاکٹر عبدالطہر دلی نے عبدالحق کی "رانی کنگی کی کہانی" کو اپنے مقدمے کے ساتھ اپنے نام سے شائع کیا۔

ح۔ ہندی میں ڈاکٹر شری رام شرما نے "خطوط غالب" کی دو جلدیں چھاپی ہیں جن میں اردو متن جہوں کا جہوں ہے۔ جلد اول میں سمیش پر شاہ کے نسخے کو ہو ہو نقل کر دیا ہے۔ حواشی صرف مشکل الفاظ کے معنی لکھنے تک محدود ہیں۔ دوسری جلد میں آفاق کی "تلاوات غالب" اور مولانا سرکی "خطوط غالب" سے استفادہ کیا ہے اور دونوں جلدوں پر مرقب کی حیثیت سے شری رام شرما کا نام ہے۔

ان سب حضرات نے پہلے مرقب کے متن میں کوئی معتدبہ تبدیلی نہیں کی بلکہ اکثر صورتوں میں کوئی تبدیلی کی ہی نہیں، صرف پہلے مرقب کا مقدمہ نکال کر اپنا مقدمہ لکھ دیا اور مرقب اول کا نام نکال دیا۔ کسی نے ان پر گرفت نہیں کی۔ مکتبہ جامعہ سے جو معیاری ادب سیریز میں کلاسیکی کتابیں شائع ہو رہی ہیں، ان کے مرقب ایک دو قدسی ایڈیٹروں کی بنا پر متن ترحیب دیتے ہیں، چار سطحوں کا مقدمہ لکھتے ہیں۔ فرہنگ کوئی دیتا ہے، کوئی نہیں۔ بہر حال مرقب کا رتبہ ہر ایک حاصل کر لیتا ہے۔

اردو کی اس روایت کو دیکھتے ہوئے اگر ملک رام ایک مفضل مقدمہ لکھ دیتے اور سمیش پر شاہ کا دوبارہ خارج کر کے مرقب کی حیثیت سے صرف اپنا نام لکھ دیتے تو یہی مورد اعتراض نہ ہوتے۔ واضح ہو کہ مقدمہ لکھنا ضروری تھا۔ بصورت موجودہ بھی جو کچھ



انہوں نے کیا ہے، اس کی بنا پر وہ شریکِ مرتب قرار پاتے ہیں۔ میں نے "تحریک" میں ایک مراسلے میں تجویز کی تھی کہ انجمن کے ایڈیشن کے سرمدی پر نام یوں دیا جائے۔

مرتب، مسیح پر شاد

تصحیح و اضافہ از ملک رام ("تحریک"، فروری ۱۹۵۷ء، ص ۸)

اب میں ملک رام کے اضافوں کے تفصیلی جائزے کے بعد اس قلمیے پر پہنچا ہوں کہ اس کٹ راگ کی کوئی ضرورت نہیں۔ سید حاسدا "مرتبین، مسیح پر شاد و ملک رام" لکھنا چاہیے تھا۔

کیا مسیح پر شاد کا نام ملک رام کے ایما پر حذف کیا گیا؟ ۱۹۷۵ء کے ادوار میں یہ بحث زوروں پر تھی۔ میں نے انجمن ترقی اردو ہند کے اس وقت کے جنرل سیکرٹری پروفیسر سرور سے یہ سوال کیا تھا۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس مضمون کی تحریر کے وقت پھر یہ سوال کیا۔ اب کی بار انہوں نے سہی نگر سے جواب بھیجا جو مجھے ۳۶ ستمبر ۱۹۷۸ء کو ملا۔ اس میں لکھتے ہیں،

"آپ نے کسی پچھلے خط میں ملک رام کے مرتبہ خطوط غائب کے سلسلے میں

پوچھا۔ اب یہ یاد نہیں کہ ملک رام صاحب کو اس کا علم تھا یا نہیں، ان کا نام

ان کے ایما پر دیا گیا تھا۔ انجمن کی روداد سے پتا چلے گا۔ میں نے دیباچے میں

پوزیشن واضح کر دی تھی، "تحریک" میں میرا ایک خط بھی اس سلسلے میں چھپا

تھا۔ ہر حال یہ احساس ہوتا ہے کہ مسیح پر شاد کا نام اور اس کے بعد

ملک رام کا نام (احاطے اور نظر ثانی) کے حوالے کے ساتھ دینا چاہیے۔"

انہوں نے مکمل کر کچھ نہیں بتایا لیکن ادھر شاہد باٹی کی کتاب "ملک رام: محقق اور

دانگور" میں وضاحت کی ہے،

"انجمن ترقی اردو (ہند) سے اس کا دوسرا ایڈیشن جس میں ملک رام

صاحب نے خاصا اضافہ کیا تھا، جب شائع ہوا تو سرمدی پر مسیح پر شاد کا نام

نہ تھا، صرف میرے پیش لفظ میں اس کی طرف اشارہ تھا۔ دراصل ملک رام صاحب اس زمانے میں ہندوستان سے باہر تھے اور مستودہ جن صاحب کو چھپوانے کے لیے دہلی میں دیا گیا تھا، انھوں نے اس کا خیال نہ رکھا اور جمل سیکرٹری کی حیثیت سے میں بھی اس مرحلے پر کام کی نگرانی نہ کر سکا۔ اس لیے یہ کوئی رہ گئی لیکن ملک رام صاحب کے کام کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

(امدادی زبان ۱۰، مئی ۱۹۹۳ء، ص ۱۶)

ملک رام نے "ہمدی زبان" میں سب کچھ صراحت کر دی اور اس کے بعد مجھے کا کوئی مقام نہیں رہ جاتا۔ میں ان کے بیان کے کسی لفظ پر شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۹۳ء میں جب انھوں نے پہلی بار یہ مطبوعہ ایڈیشن دیکھا تو صیش پرشاد کا نام نہ دیکھ کر سرور صاحب سے شکایت کی، (اسی طرح) "مرقب کی حیثیت سے میرا نام چھپا ہے۔ صحیح یہ ہونا کہ پہلے صیش پرشاد مرحوم کا نام ہوتا اور ان کے بعد میرا مرقب یعنی کی حیثیت سے"۔ پھر وہ لکھتے ہیں،

"خطوط غالب کا جو ایڈیشن میرے نام سے شائع ہوا ہے، اس میں جتنا اضافہ ہے اس کے پیش نظر یہ بالکل نئی کتاب ہے، لیکن چونکہ میں اسے صرف اپنے نام سے نہیں شائع کرنا چاہتا تھا اور غشی صاحب مرحوم کے کام کا اعتراف اپنا فرض خیال کرتا تھا، بالخصوص جبکہ ان کی کتاب کے حواشی بھی ساتھ شائع ہو رہے تھے، اس لیے صحیح بات یہ ہوتی کہ ان کا نام اول چھپا اور میرا اس کے بعد۔ اگر ناشر نے ایسا نہیں کیا تو یہ میری اجازت یا استصواب رائے سے نہیں ہوا اور یہ میرے فضا کے بھی خلاف ہے۔"

(خطوط غالب کی ترجمہ نو ۱۰، امدادی زبان ۱۰، مئی ۱۹۹۳ء)

اب ہم یہ فیصلہ نکالنے میں حق بجانب ہیں کہ صیش پرشاد کا نام حذف کرنے کا

فیصلہ صرف انجمن ترقی اردو کا تھا جس کا مالک رام کو علم بھی نہ تھا۔ اس فیصلے میں انجمن کی کوئی بدعتی نہ تھی بلکہ یہ عدم اعتماد کا نتیجہ تھا۔ آخری شہادت انجمن کے موجودہ جنرل سیکریٹری ڈاکٹر خلیق انجم کی ہے۔ غالب کے خطوط کے مقدمے میں لکھتے ہیں۔

”خطوط غالب کا دوسرا ایڈیشن انجمن ترقی اردو سے ۱۹۴۳ء میں شائع ہوا۔ اس وقت مالک رام صاحب ہندوستان سے باہر تھے۔ انجمن کی غلطی سے اس کتاب پر مرقب کی حیثیت سے مالک رام صاحب کا نام چھپ گیا۔“

(اہل قول، ص ۵۲)

اعتراض ہے کہ اگر مالک رام صمیم پر شد کو اس کتاب کا مرقب تسلیم کرتے ہیں تو انھوں نے اپنی کتابوں مطابق لکھا میں ”خطوط غالب مرتبہ مالک رام“ کے نام سے کیوں حوالہ دیا۔ وجہ ظاہر ہے کہ وہ انجمن کے ۱۹۴۳ء کے ایڈیشن کا حوالہ دے رہے ہیں جس پر مرقب کی حیثیت سے مالک رام کا نام چھپا ہے۔ کیا ہر جگہ حوالہ دے رہے ہیں جس پر مرقب کی حیثیت سے مالک رام کا نام چھپا ہے۔ کیا ہر جگہ حوالہ دیتے وقت وہ یہ داستان دہرایا کرتے۔

”خطوط غالب مرتبہ صمیم پر شد، ناشر انجمن ترقی اردو، ۱۹۴۳ء۔ میرے

علم کے بغیر اس ایڈیشن پر مرقب کی حیثیت سے صرف میرا نام چھپ گیا ہے۔“  
اگر معترضین کے اعتراض کے مطابق اس کتاب کا حوالہ ”خطوط غالب مرتبہ صمیم پر شد، ۱۰ انجمن ترقی اردو، ۱۹۴۳ء“ لکھ کر دیں تو کیا کسی قاری کی اس ایڈیشن تک رسائی ہو سکتی ہے؟ واضح ہو کہ مالک رام، صمیم پر شد کا نام حاصل کرنے کے حق میں ہیں لیکن اپنا نام خارج کرنے کو نہیں کھینچتے۔ ستمبر ۱۹۸۷ء میں سرور صاحب کا بھی یہی ایمان تھا۔ ”ذکر غالب“ طبع مخم ۱۹۷۶ء میں مالک رام نے کتابیت میں اس کتاب کا نام یوں دیا ہے۔ ”خطوط غالب (مرتبہ صمیم پر شد) (مالک رام)، سرگودھا قوی پریس کھنوا، ۱۹۴۳ء۔“ (ص ۵۸)

میں لکھتا ہوں کہ یہ بھی غلط ہے، کیونکہ اس سے غلط فہمی ہوگی۔ فرض کیجئے، پاکستان

میں کوئی اجنبی قاری کسی لائبریری میں یہ ایڈیشن ڈسپوزڈ چاہے تو مصیبت پر شاہ و مالک رام کے طے چلے ناموں کے ساتھ کوئی کتاب طے گی ہی نہیں۔ "مالک رام" ایک مطالعہ اور "مالک نامہ" کے آخر میں شامل حیدر بیگم کی "توقیت مالک رام" میں ان کی جملہ تصانیف و تالیفات کی تفصیل ہے۔ اس میں "سرقہ کردہ کتابیں" کے تحت اس کتاب کا نام یوں ہے،

"خطوط غالب (غشی مصیبت پر شاہ)، ۱۹۳۳ء، علی گڑھ"۔

میرا قیاس ہے کہ یہ فرست مالک رام صاحب کو دکھائی گئی ہو گی، لیکن ۱۹۳۳ء میں مصیبت پر شاہ کے نام سے کوئی "خطوط غالب" نہیں ملتی۔ انجمن ترقی اردو ہند کے ۱۹۳۳ء کے "خطوط غالب" کے لیے "خطوط غالب مرتبہ مالک رام" کے سوا اور کسی طرح حوالہ نہیں دیا جاسکتا، وہ میں دلوں یا مالک رام۔ کتاب پر کیا لکھا ہوا چاہیے تھا غیر متعلق ہے۔ کتاب پر واقعی کیا لکھا ہے، لائبریری کی فرست کے لیے صرف وہی نام ہے۔ حوالہ انھیں الفاظ میں دیا جائے گا جن کے تحت کتاب لائبریری میں درج ہو گی۔ ہر حال اب ڈاکٹر عتیق الہی نے غالب کے خطوط کو جامعیت کے ساتھ چار جلدوں میں باحسن الوجوہ مرتب کر کے ہمیں مصیبت پر شاہ اور مالک رام کے ایڈیشنوں سے بڑی حد تک بے نیاز کر دیا ہے۔

### عیار غالب

مالک رام سے ملتی تحقیقی رسالے "تحریر" کے ایڈیٹر تھے۔ فردوسی ۱۹۳۹ء کے غالب نمبر کے لیے انھوں نے لکھا کہ بہت سے لوگوں سے معاینہ کھوائے۔ تمام معاینہ صرف اسی پرچے کے لیے کئے گئے۔ پہلے سے موجود معاینہ کو سرقہ کرنا آسان کام ہے، عاس طور سے نئے معاینہ لکھنا اور پھر ان کو ترجیح دینا زیادہ مشکل طلب ہے۔ میر نے طے کیا کہ اس شمارے کو کتبلی صورت میں شائع کیا جائے۔ اس کا نام "عیار غالب" رکھا گیا۔ اس کے عین معاینہ کی مالک رام بطور خاص داد دیتے ہیں کیونکہ وہ عام لکھ سے ہٹ کر دوسرے انداز کے ہیں وہ یہ ہیں،

غالب کی صحیح ہمیرِ دولت      سید محمد حسین رضوی

غالب، ایک نفسیاتی مطالعہ ڈاکٹر زینب خدر تاجھ دگ

غالب کی بیماریوں اور مرض الموت ڈاکٹر املیل

اس میں مالک رام کے دو مطالعین ہیں، ۱۔ "توقیت غالب" ۲۰۰۰ء غالب لکھی، جب اور اب۔ ان کے بارے میں "فسانہ غالب" اور "گلشن غالب" کی "خش گلشن" کے سلسلے میں لکھ چکا ہوں۔

### یادگار غالب

کچھ جاسمہ دہلی "معیاری ادب سیرج" کے نام سے کلاسیکی کتابوں کے معیاری اور سہی ایڈیشن چھاپتا ہے۔ مالک رام نے اس کے لیے "یادگار غالب" مرقب کی اس کے متن، بالخصوص فارسی حصے کی تصحیح کا کام مشکل تھا، لیکن مالک رام نے حیات غالب کے معتبر ایڈیشنوں کی بنا پر اس کا متن تیار کیا اور اس کے شروع میں پھر صفحوں کا ایک مقدمہ لکھا۔ یہ کتاب اگست ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کے اردو اور فارسی حصوں کو الگ الگ جلدوں میں چھاپا گیا ہے۔

"ارمغان مالک" جلد اول میں عرش طیبانی نے مالک رام کی نگارشات کی جو

فرست دی ہے، اس میں "یادگار غالب" کو مرتبہ کے تحت نہیں، محض "مقتضات"

کے تحت دیا ہے (ص ۱۶۹)۔ "مالک رام ایک مطالعہ" اور "مالک رام" کے آخر میں۔

حبیبہ بیگم کی تیار کردہ جو "توقیت مالک رام" دی ہے، اس میں کتابوں کے نام بھی ہیں

ان میں مرقب کردہ کتابوں کے تحت بھی "یادگار غالب" کا نام نہیں۔ میرا خیال ہے

کہ یہ فرست مالک رام کے ایما پر تیار کی گئی ہوگی۔



(۱۵) = مخطوطات، تلاش، قرأت، ترتیب، "آج کل"، تحقیق نمبر، اگست ۱۹۷۶ء  
ص ۱۱۹۔

(۱۶) = اردو تحقیق پر ایک نظر، حقائق، ص ۲۰۸۔

(۱۷) = اردو تحقیق اور ملک رام، ص ۴۵۔

(۱۸) ایضاً، ص ۸۸۔

(۱۹) نسخہ مرثیہ طبع نول، ص ۳۳۔

(۲۰) = اردو تحقیق اور ملک رام، ص ۹۷۔

(۲۱) = تحقیق و تصحیح متن کے مسائل، مخطوط، ص ۱۹، ۲۰، مارچ ۱۹۹۳ء۔

(۲۲) = اردو تحقیق پر ایک نظر، ۱۰، نجم اسلام آباد اردو جامعات ہند کی گھنٹوں کانفرنس کے شعبہ تحقیق کا خطبہ صدارت، مخطوطہ حقائق، ص ۲۸۔

(۲۳) = اردو تحقیق اور ملک رام، ص ۸۷۔ "قاعدہ یہ ہے کہ صحیح یا مرغ صورت کو متن کی جگہ دی جاتی ہے۔"

(۲۴) = مقدمہ ص ب از عبدالستار صدیقی، "خطوطِ غالب"، جلد اول

مرتبہ مجلس پر شاو، اللہ آباد، ۱۹۳۱ء۔

(۲۵) = خطوطِ غالب کی ترتیب نو، از ملک رام، ہماری زبان، ۸۰، مارچ ۱۹۷۵ء  
ص ۴۔

(۲۶) = خطوطِ غالب، مرتبہ غلام رسول مر، تعارف، ص ۲، کتب منزل، کشمیری بازار  
لاہور، طبع دوم۔

(۲۷) = خطوطِ غالب، مرتبہ مر، ص ۲۳ کا حاشیہ۔

(۲۸) = ہماری زبان، ۸۰، مارچ ۱۹۷۵ء ص ۱۔

(۲۹) = خطوطِ غالب کی ترتیب نو، از ملک رام، ہماری زبان، ۸۰، مارچ ۱۹۷۵ء۔

(۳۰) = مکتبہ غالب، مرتبہ مولانا مرثیہ، متن ص ۱۱۱، طبع اول، ۱۹۳۷ء۔

(۳۱) = خاتم شدہ اردو لٹریچر، ۱۵، فروری ۱۹۷۵ء، "نیز" تحریک، مارچ ۱۹۷۵ء، "نیز" کتب اردو  
تحقیق اور ملک رام، ۱۹۷۵ء، ص ۳۳۔

(۳۲) - خطوطِ غالب کی ترتیب نو، "ہماری زبان" ۸۰، مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۱۔

(۳۳) - تحریک "دسمبر ۱۹۷۳ء، نیز "اردو تحقیق اور مالک رام"، ص ۱۸۔

(۳۴) - ایضاً۔

(۳۵) - خطوطِ غالب کی ترتیب نو، "از مالک رام، ہماری زبان" ۸۰، مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۲۔

(۳۶) - خطوطِ غالب کی ترتیب نو، "از مالک رام"، ہماری زبان" ۸۰، ص ۲۷، مارچ

۱۹۷۵ء۔



## پانچواں باب مجموعی جائزہ

غالبیات کے باب میں ملک رام کے مریض و عقیق کاسوں کی یہ مختصر کہانی ہے جو گزشتہ اوراق میں سنائی گئی۔ اس سے ان کے کارناموں کا اندازہ تو ہو جاتا ہے لیکن یہ جائزہ ان کی تحریروں کے واقعی مطالعے کا نعم البدل نہیں۔ کتنی بھی مصروفیت کے ساتھ دیکھا جائے، ملک رام کو چوٹی کے بہترین غالبیات میں جگہ دینی ہو گی۔ یہ مسلم کہ غالب پر ان کی بعض کتابیں اور مضامین اعلا معیار کے نہیں، لیکن کئی نگارشات بالیقین اس لائق ہیں کہ انھیں غالبیات کے منتخب کاسوں میں ایک نمایاں مقام دینا ہو گا۔

اردو میں غالب کی جملہ سوانح عمریوں میں اس وقت "ذکر غالب" طبع ختم سب سے زیادہ جامع اور مستحکم ہے، گو اس میں بھی مزید اضافوں اور قدرے ترمیم کی ضرورت ہے۔ ان کے خرد متقدیر کو صلاے عام ہے۔ "مظاہر غالب" اپنے موضوع کی نہ صرف بہترین نمائندہ بلکہ واحد کتاب ہے۔ طبع اول کے تبصروں کی روشنی میں دوسرے ایڈیشن کو شاکردوں کا ایک مثالی حکرہ بنا دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے عام قاری غالب کے پانسل مشور شاکردوں ہی کو جانتا تھا، یہ کہے معلوم تھا کہ غالب کے سدا شاکرد تھے۔ میری حدود مطبوعات کی حد تک کسی دوسرے استاد شاعر کے شاکردوں پر اس پایے کا یا اس سے سبک تر کام بھی نہیں کیا گیا۔ ملک رام نے غالب پر ہی دو مستقل کتابیں لکھیں اور دونوں اعلا درجے کی ہیں۔

انھوں نے غالب پر معرکے کے متعدد مضامین لکھے۔ "فساد غالب" میں جو تصدیق و تائید کی گئی ہیں، کسی بھی غالب پسند کو ان سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں۔

میں نے دوسرے باب کے آخر میں ان کے پندرہ منتخب مطامین کی فہرست دی ہے ان میں سے ذیل کے تھے کہ میں گل ہائے سرسبد کہوں گا۔

مرزا غالب (نفاک)۔ میرزا یوسف۔ عبدالصمد۔ استاد غالب۔ مقدمہ پنشن کا عرضی دعویٰ۔ سکے کا الزام اور اس کی حقیقت۔ باور خطوط غالب پر ایک نظر۔ جبرہ دیوان غالب نسخہ عرشی۔

”مرزا غالب کا مرقع“ اردو میں اپنی طرز کی بے نظیر و بے ہمتا نگارش ہے۔ خاکے کو تاریخی انسانی کے دوپ میں پیش کرنا انھیں کی اختراع ہے۔ یہ صرف علمی تصویر نہیں، ایک طرح سے ان کی سوانح بھی ہے۔ مرزا یوسف کی باقاعدہ سوانح بانک رام ہی نے مرتب کی۔ عبدالصمد کے وجود کو بہ نقل طریقوں سے انھیں نے منوایا اور اس کے لیے انھوں نے قاضی عبدالودود جیسے تحقیق سے لہا لیا۔ ماہرین غالبیات کی اکثریت عبدالصمد کی قاتل نظر آتی ہے۔ غالب کے مقدمہ پنشن کا عرضی دعویٰ انھوں نے لندن میں کھوج نکالا جس سے غالب کی سوانح اور پنشن کے قیضے کے بارے میں میں خود مستغنیٰ کی زبان سے جملہ تفصیلات سامنے آگئیں۔

سکے کی حقیقت پر بانک رام کا مضمون ”معارف“ جنوری ۱۸۵۹ء میں شائع ہوا۔ اگر بانک رام یہ مضمون ایک صدی پہلے ۱۸۵۹ء میں لکھ دیتے تو غالب ان کی پرستش کرنے لگتے۔ غالب ۱۸۵۹ء کے نصف دوم میں کاسہ گدائی لیے اپنے تمام دوستوں سے فریاد کرتے ہیں کہ اللہ بیت سکے کے معترف کا نام تلاش کر دو۔ اسی بدبخت سکے کی بدولت غالب کی پنشن اور اعزازات سوخت ہو گئے تھے۔ لعنت ہو گوری فکر جاسوس پر کہ وہ ادبی تحقیق کے طریق کار سے واقف نہ تھا اور شعر کا غلط احساں کر گیا۔ واضح رہے کہ اس دور میں کوئی بانک رام جیسا محقق دستیاب نہ تھا۔ رسالہ دہلی کی دست باری بلکہ کافکا ”باور خطوط غالب“ کی قلمی کھولنا بھی بانک رام کی اہم تحقیقی مانی جائے گی۔ نسخہ عرشی کے جبرے میں انھوں نے عرشی صاحب کی کئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا لیکن خود چند غلط فہمیوں پر ڈٹے رہے۔ ان کی درستی عرشی صاحب نے کی، ”کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہاتھ سے اس ہاتھ لے“۔ غرض یہ کہ بانک رام کے

معاہدہ میں جو پیش ہوا معلومات بکھری پڑی ہیں، وہ کسی کتاب سے کم عیار نہیں۔

ہدین میں دیوان غالب اعلیٰ پایے کا کام نہیں، گو یہ بھی ہے کہ دیوان غالب نسخہ عرشی سلطنت آجائے تو ہم لوگ ملک رام کے ایٹیشن ہی کی قدر کرتے۔ ایک لکیر کے نیچے اس سے بڑی لکیر کھینچ دی جائے تو پہلی لکیر خود بخود چھوٹی ہو جاتی ہے۔ ہمیشہ پر شاہ کے ”خطوط غالب“ میں انھوں نے جو اضافے اور تصحیحات کیں، ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن اس میں ہستی کی مزید گنجائش تھی۔ واضح ہو کہ ملک رام نے قابلیت کے اپنے کام اس حالت میں کیے ہیں جب ان کا ایک ہاتھ ملک میں تو دوسرا بیرون ملک میں ہوتا تھا بلکہ زیادہ تر ممالک غیر ہی میں ہوتے تھے جہاں نہ کوئی کتب خانہ میسر تھا، نہ تبادلہ خیالات کے لیے کتابوں کے ماریٹر تھے۔

ہدین غالب میں ان کا بستر کارنامہ ”گل رحمت“ ہے۔ انھیں یہ خطوط جب ملا تھا تبھی خلق کر دیتے تو ان کی دھوم مچ جاتی لیکن ان کے ہاتھ میں تو سنچر تھا۔ نسخہ طے کے بعد ہی وہ پھر ملک سے باہر چلے گئے، لیکن انھوں نے اس پیش ہوا مخطوطے کو اشاعت سے پہلے جس وسیع القلبی کے ساتھ عرشی صاحب کو دے دیا، اس کی دوسری نکتہ نہیں ملے گی۔ عرشی صاحب نے ملک رام سے بہت پہلے اپنے دیوان غالب نسخہ عرشی میں اسے پیش کر دیا۔ ملک رام کے اس ایثار کی اہمیت کسی نے نہیں پہچانی کسی نے داو نہیں دی۔

ملک رام نے جب اسے مرقب کیا تو اس پر سہ صفحوں کا سیر حاصل مقدمہ لکھا اور سہ صفحوں میں اختلاف رفع دیے۔ اس میں شامل فارسی نثر میں پر حاشی کا انبار لگا دیا۔ ہدین میں ان کا دوسرا شاہ کار غالب کے فارسی دیوان کی ترحیب تھی جسے انھوں نے نو (۱۰) خطی نسخوں اور حیات غالب کے دو مطبوعہ ایڈیشنوں کی حد سے مرقب کیا تھا۔ افسوس کہ اس کے پچ کے کچھ اور اہل خلق ہو جانے کی وجہ سے یہ دیوان منظر عام پر نہ آسکا۔ غالب کی ”سہ چین“ جیسی نایاب کتاب کو ترحیب نو اور اضافوں کے ساتھ پیش کرنا بھی اہم ادبی خدمت ہے، گو اس کے وہاں میں ترمیم اور اضافوں کی نشان دہی نہ کرنا ایک فروگزاشت ہے۔

واضح ہو کہ غالبیات، قلم کار ملک رام کے ۶۰ فی صد ہی کو پیش کرتی ہے۔ ان کی عامہ فرسائی کا میدان بہت متنوع ہے۔ وہ غالب کے علاوہ ابوالکلام آزاد کے بھی حارف ہیں۔ ان کی حدیث کے بہترین اور مثالی کام ابوالکلامیات ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں اضافہ کیجیے۔ ”کرل کتھا“ جیسے مشکل متن کی حدیثیں۔ ان پر مستزاد ہے ان کی ”حکمران نگاری جو“ ”طاغز غالب“ سے بڑھ کر ”حکمران معاصرین“ اور ”حکمران باد و سہل“ تک پہنچتی ہے۔ آخر الذکر دونوں حکمرانوں میں خامیاں ہیں۔ اس کے باوجود ان میں جو مفید معلومات مل جاتی ہیں، وہ دوسری جگہ نکالیں۔ ان کا ایک میدان اختصاص اسلامیات ہے۔ غیر مسلموں میں اس شعبے کا ان جیسا عالم دوسرا کوئی نہیں۔ وہ عرب و عجم کی قدیم تاریخ کے بھی حارف ہیں بالخصوص تاریخ اسلام کے۔

اسی سال کی عمر میں کون تصنیف و تالیف کا کام کرتا ہے۔ ملک رام دسمبر ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ عمر کے نویں وہ ہیں انھوں نے قرآن کی کتابیں شائع کیں۔ ان میں سے بعض کی تفصیل مجھے عبدالغنی دستغوی کے مضمون ”کچھ آج کل کے گوشہ ملک رام کے بارے میں“ (- ہماری زبان، ۱۵۰ مئی ۱۹۹۳ء) سے معلوم ہوئی۔

مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۸۷ء

تفصیلی مباحث

سابقہ انکوائری، دہلی، ۱۹۹۰ء

خطوبہ ابوالکلام آزاد

مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۳۰ء - ۱۹۹۳ء

حکمران باد و سہل

ہریانہ اردو انکوائری، ۱۹۹۳ء

مشرق ابوالکلام

مکتبہ جامعہ، دہلی، دسمبر ۱۹۹۳ء

حمورابی اور بڑی تہذیب و تمدن

یہ ضرور ہے کہ ان کتابوں کا مواد پہلے سے موجود ہو گا لیکن ان کی ترتیب و تہذیب تو بہر حال انھیں دنوں میں کرنی پڑی ہو گی۔

اردو میں یادگاری اور معنائوں کا جو اعلیٰ معیار ملک رام نے قائم کیا ہے، اس کی بدولت وہ اردو کے سب سے باہر مقرر گزار ہو گئے ہیں۔ انھیں اس کے لیے یاد رکھا جائے گا۔ ۲۸ سال کی عمر میں جب ان کی پہلی برائے نام رہ گئی تھی، انھوں نے اپنے مستقل رفیق کار کو ”مذہب خیر“ پیش کیا۔ ملک رام کی مرتبہ تھ مذہبوں میں سے عین

کا کچھ نہ کچھ رشتہ غالبیت سے ہے۔ "مذہب مرثی" ان کے ہم پایہ ماہر غالبیات کو دی گئی، "مذہب معجاز"، "نقد غالب" اور "احوال غالب" کے مرتب کو، اور "مذہب حمید" اس محترم ہستی کو جس نے غالب آکئیڈی کی تعمیر و تکمیل کی۔

جس شخص نے متواتر ۲۵ سال تک غار فرسائی کر کے اردو ادب کی اتنی دور رس خدمت کی، اس کی جس منظم طریقے پر مخالفت اور حقہ میں کی گئی، اسے دیکھ کر بڑی جلتا ہے۔ مٹنی مضامین میں ایسا ظاہر کیا گیا جیسے ملک رام ظفل مکتب تھے، جاہل مطلق تھے۔ معترضین کو ان کے بارے میں ایک حرف صیر کھنے کی توفیق نہ ہوئی۔ میں اس ہانوش گوار موضوع پر مزید لب کشائی نہ کروں گا، ذرا بہترین منصف ہے۔ مجھے فی الوقت ملک رام کی غالب شناسی ہی سے قطع ہے۔ میری رائے میں مطالعہ غالب کے میدان میں ان کی تحقیقات، ان کی اولیات اور ان کے حقوق کا اعتراف نہ کرنا ان کے ساتھ ہی نہیں، مطالعہ ادب کے ساتھ بھی ناانصافی ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ غالبیات کے ادارے ان کی مناسب قدر شناسی کریں گے۔

غالب آکئیڈی اور غالب انسٹیٹیوٹ کی طرف سے ان کی خدمت میں سب سے بڑا خراج عقیدت یہ ہو گا کہ ان کے جزیہ مضامین، مخطوطات اور مکتوبات کو مرتب کرا کے شائع کرا دیں۔ کلیات غالب فارسی کے مستوی کا علائقی ماہر سے پورا کر کے چھاپ دینا چاہیے۔ شاعر احمد فاروقی کے جہول انھوں نے ممدوحین غالب کا مدگرہ بھی تیار کیا تھا۔ اگر اس کا مستوی دستیاب ہو تو اسے بھی شائع کرنا چاہیے۔ ان کے اعلاں اور مقتدرین کی طرف سے ان کی جناب میں سب سے اچھا ہدیہ اداوت یہ ہو گا کہ ان کی طرح فتن سے کام کرتے ہیں، اردو ادب کو ابھی کئی ملک راموں کی ضرورت ہے۔

# کتابیات

## اردو فارسی

الف۔ مالک رام کی تصانیف،

مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۸۷ء	تصحیح، معائنہ
ادارۂ تصنیف و تالیف، لکھنؤ، ۱۹۵۸ء	علامہ غالب
مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء	ایضاً
مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، طبع پنجم، فروری ۱۹۸۶ء	ڈاکٹر غالب
مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، فروری ۱۹۷۷ء	قسانہ غالب
مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء	مکتبہ غالب
مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، طبع دوم، جولائی ۱۹۷۶ء	وہ صورتیں انہی

ب۔ مالک رام کی حدودِ غائبیات

انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، ۱۹۴۳ء	مخطوطہ غالب
(در اصل ۱۹۴۳ء)	
صد سالہ یادگار غالب کمیٹی، دہلی، فروری ۱۹۶۹ء	و حنیو
پندرہ نظریاتی، آزاد کتاب گھر، دہلی، سب طبع	دیوان غالب
مدارو، غالباً طبع دوم ہے۔ طبع اول ۱۹۵۷ء	

میں آتی

صد سالہ یادگار غالب کمیٹی، دہلی، فروری ۱۹۶۹ء	دیوان غالب
مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۵۳ء	سہ چین
علی مجلس، دہلی، فروری ۱۹۶۹ء	حمید غالب
علی مجلس، دہلی، مئی ۱۹۷۰ء	گلِ رحیا
مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، اگست ۱۹۷۵ء	یادگار غالب از حالی، مرتبہ مالک رام

ج۔ تصانیف غالب کے ایڈیشن۔

طریق النجم، ڈاکٹر (مرقب) غالب کے خطوط، غالب انسٹیٹیوٹ، نئی دہلی، جلد اول، ۱۹۸۵ء  
طریق النجم، ڈاکٹر (مرقب) غالب کے خطوط، غالب انسٹیٹیوٹ، نئی دہلی، جلد دوم، ۱۹۸۷ء  
رضا، کللی داس گپتا (مرقب)، دیوان غالب، چوتھا ایڈیشن، نفاذ پریس، کان پور  
عکس ایڈیشن، بمبئی، ۱۹۸۷ء

رضا، کللی داس گپتا (مرقب)، دیوان غالب کامل تاریخی ترتیب سے، ساکار، جھڑ  
بمبئی، ۱۵۰ فردوسی، ۱۹۸۸ء

عرشی، امتیاز علی خاں (مرقب)، دیوان غالب نسخہ عرشی، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ  
طبع اول، ۱۹۵۸ء

عرشی، امتیاز علی خاں (مرقب)، مکاتیب غالب، رام پور، طبع اول، ۱۹۳۷ء  
غالب، دیوان غالب، چوتھا ایڈیشن، مطبع نفاذ، کان پور، ۱۹۸۳ء، محکومہ، محولہ نیورسٹی  
سر، مولانا غلام رسول (مرقب)، خطوط غالب، بار دوم، سو دہادو، کتاب منزل  
کشمیری پبلیکیشنز (ظاہر طبع اول، ۱۹۵۲ء و طبع سوم ۱۹۷۳ء کے بیچ)  
مسیح پشاور (مرقب)، خطوط غالب پہلی جلد، ہند، جلی سی۔ی۔ ۱۹۲۲ء، ۱۹۳۱ء

د۔ دوسری کتابیں،

اعظمی ایم اے۔ شہید (مستجاب) اردو تحقیق اور مالک رام، ادارہ تحقیق، دہلی، ۱۹۷۵ء  
بھٹا چاریہ، شانتی رانجن، ہمال میں اردو زبان اور ادب چند تحقیقی مضامین، کھنڈ  
۱۹۸۶ء، پرتوی چندر، موقع غالب، دہلی، ۱۹۸۶ء

حالی، یادگار غالب، غالب انسٹیٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۸۶ء (طبع اول ۱۹۸۷ء کا عکس)

خاندی، ابو النصر محمد، قہریم جہی و بیسی، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، ۱۹۳۹ء

رشید حسن خان، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، لکھنؤ کینٹنل پک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۷۸ء

رضا، کللی داس گپتا، غالب کی بعض تصانیف کے بارے میں، ساکار، جھڑ، بمبئی  
دسمبر، ۱۹۹۰ء

نیدی و کرگل بشیر حسین (مرتب): مالک رام ایک مطالعہ مکتبہ جامعہ نئی دہلی جولائی ۱۹۸۶ء  
 سحر، ڈاکٹر ابو محمد: غالبیات اور ہم تخلیق کار، پبلشرز ورکس، نئی دہلی، ۱۹۹۳ء  
 قادری، شام احمد: شاہ غالب، علمی مجلس، دہلی، مئی ۱۹۶۹ء  
 کاظم علی خاں: خطوط غالب کا تحقیقی مطالعہ، کتاب گھر، لاہور، ۱۹۸۱ء  
 گیان چند: ذکر و فکر، المآ، لاہور، ۱۹۸۸ء

گیان چند: رموز غالب، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۱۹۸۶ء  
 عطار الدین احمد: ڈاکٹر (مرتب): احوال غالب، ناظمین ترقی اردو ہند، دہلی طبع دوم، ۱۹۸۶ء  
 عطار الدین احمد: ڈاکٹر (مرتب): بیحد غالب، ناظمین ترقی اردو ہند، دہلی، جون ۱۹۵۶ء  
 مصححین الرحمان، ڈاکٹر سید: غالب کا علمی سرکاری، یونیورسٹی پریس، اردو بازار، لاہور فروری ۱۹۸۹ء  
 تاریک، ڈاکٹر گوپی چند (مرتب): ارمغان مالک (۱) مجلس ارمغان مالک، نئی دہلی، ۱۹۷۷ء  
 جہم النقی: بحر الفصاحت، دراجہ ارام کمار یک، لاہور، ۱۹۵۷ء  
 نقوی، ڈاکٹر حنیف احمد: غالب احوال و آثار، نصرت، پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۰ء  
 ۱۔ سالوں کے مضامین جو مندرجہ بالا کتابوں اور مجموعوں میں نہیں آئے:  
 فلیق انجم، ڈاکٹر: غالب کے دو جعلی شاعر اور ایک پہلی عربی، صحیفہ لاہور، غالب فہرست سوم،  
 جولائی ۱۹۶۹ء

دستوی، عبدالقوی: یکھڑ "آج کل" کے گوشہ مالک رام کے بارے میں، ہماری زبان ۱۵ مئی ۱۹۹۳ء  
 رضوی، محمد حسین: غالب کی صحیح تاریخ ولادت، اردو، کراچی، غالب فہرست (۱) ۱۹۶۹ء  
 نیز "عیار غالب" دہلی، ۱۹۶۹ء



خارقی، عمر مشتاق: مالک رام کے نام مکتوب تحریر، دہلی، مکتوبر۔ دسمبر ۱۹۷۷ء  
 عرشی، مہدی اعلیٰ خاں: دیوان غالب نسخہ عرشی، نقوش، نومبر ۱۹۶۳ء  
 فائق، گلعلی خاں: یکو ستارہ غالب کے بارے میں، اردو، کراچی، غالب نمبر فروری، مارچ  
 ۱۹۶۹ء

کاظم علی خاں: غالب کا قیام مکتو تحقیق کی روشنی میں، ہماری زبان، یکم مارچ ۱۹۸۰ء  
 مالک رام: تبصرہ دیوان غالب نسخہ عرشی، نقوش، نومبر ۱۹۶۳ء  
 مالک رام: خطوط غالب کی ترتیب نو، ہماری زبان، ۸۰ مارچ ۱۹۷۵ء  
 مسلم نیائی: غالب کا راجپوت تاریخ ولادت، اردو نامہ، کراچی، شمارہ ۷۷، مارچ ۱۹۶۷ء  
 مشفق خواجہ: غالب اور ستارہ غالب تذکرہ ناشر میں، اردو، کراچی، غالب نمبر جنوری، مارچ ۱۹۶۹ء  
 ۱۔ بحری کتاب:

شرما، ڈاکٹر شری رام اور رام نواس شرما (مترجم): غالب کے چتر، ہندوستانی اکیڈمی، لاہور، حصہ اول  
 ۱۹۸۵ء  
 شرما، ڈاکٹر شری رام: غالب کے چتر، ہندوستانی اکیڈمی، لاہور، حصہ دوم، ۱۹۶۳ء  
 ۲۔ انگریزی کتاب:

Malik Ram : Mirza Ghalib, National Book Trust of India  
 (Dehli, 2nd edition, 1980)



ادارہ یادگار غالب

غالب لائبریری

دوسری چودنگی

ناظم آباد

کراچی۔ ۷۳۶۰۰

## غالب شناس مالک رام

ہمارے جن چند محققین نے غالب شناسی کو باقاعدہ ایک فن بنوایا ہے ان میں مالک رام کا نام سرفہرست ہے۔ انھوں نے مقدار اور معیار دونوں کے اعتبار سے غالب پر اتنا کام کیا ہے کہ اب اس موضوع پر کوئی کام بھی ان کے حوالے اور ان کی تحریروں سے استفادے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا کہ مالک رام کی غالب شناسی نادر تحقیق و تحقیق کا ایک اہم موضوع ہے اور اس موضوع کا حق ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

غرضی کی بات ہے کہ ہمارے عہد کے ایک بڑے محقق ڈاکٹر گیان چند نے (جو خود بھی غالب شناس ہیں) اس موضوع کو شاہانِ اہلسنات سمجھا اور مالک رام کے غالب پر کاموں کے جائزے پر مشتمل نثری نظر کتاب لکھی۔ ڈاکٹر صاحب نے غالب سے متعلق مالک رام کی تصنیفات، مروجات اور مضامین کا بڑی دلچسپ نظر سے فرائز واسطاطہ کیا ہے اور صرف غویں ہی کی نہیں۔ غامیوں کی بھی نشان دہی کی ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب بذات خود تحقیق و تحقیق کا ایک عمدہ نمونہ بن گئی ہے۔ اس کتاب کی ایک ضمنی غلطی یہ بھی ہے کہ یہ حیات و مصطفیٰ غالب سے متعلق بعض مفید مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔ اس وجہ سے بھی کتاب کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی

